حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائقِ اسلام

سرگودھا

جنوری ۲۰۱۱ء

یا حسین ع

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون : 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

❁ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مُستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زلیست ہو گئی۔

❁ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

❁ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ **"دقائقِ اسلام"** کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیلِ زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

شیعی تعلیمات اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ دقائق اسلام

سرگودھا

جلد ۱۵ | جنوری ۲۰۱۱ء | شمارہ ۱

زیر سرپرستی

علامہ محمد حسین النجفی

جامعہ علمیہ سلطان المدارس [illegible]

مجلس نظارت

- مولانا الحاج ظہور حسین خان نجفی
- مولانا محمد حیات جوادی
- مولانا محمد نواز قمی
- مولانا حامد علی
- مولانا نصرت عباس مجاہدی قمی

مُدیرِ اعلیٰ : ملک ممتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت : جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخطاط کمپوزرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِ تعاون 200 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

معاونین [illegible]

﴿اداریہ﴾

عیسوی سال نو مبارک

۲۰۱۰ء گزر گیا، یہ سال قتل وغارت گری اور دہشت گردی کے لحاظ سے بڑے بڑے واقعات کا حامل رہا ہے۔ ہزاروں قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ بے شمار خواتین بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوئے۔ نجی اور سرکاری املاک تباہ وبرباد ہو گئیں۔ عالمی سطح پر مظالم کے سیلاب نے بربریت اور ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے، اقوام عالم کو نئی سوچ اور فکر کے ساتھ نئے سال کا استقبال کرنا ہوگا، ماضی کی فروگزاشتوں کی تلافی کے اسباب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستانی قوم کو نئے سال کی آمد پر نئے تقاضوں اور قومی امنگوں کی تکمیل کے لیے کام کرنا ہوگا، انفرادی اور اجتماعی سوچ کے دھارے درست کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے سیاسی معاشی اور معاشرتی افکار کے فروغ کی ضرورت ہے جس سے پاکستانی قوم کا وقار بلند ہو اور ملکی سطح پر تمام خرابیوں کا سدباب کیا جاسکے جو قومیں ماضی کی غلطیوں کی تلافی نہیں کرتیں وہ میدان عمل میں ناکام رہتی ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

صورتِ شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

روشن مستقبل کے لیے ماضی پر گہری نگاہ کامیابی کی ضمانت ہے۔ ملک کے صاحب اقتدار سیاست دان اس بات پر خصوصی توجہ فرمائیں کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے انہوں نے گزشتہ سال کیا اقدامات کیے ہیں، کتنے اقدامات میں کامیابی ہوئی اور کتنے اقدامات میں ناکامی ہوئی۔ نیز کتنی تجاویز حکومت بہتری کے لیے نہ اپنائی جاسکیں۔ امن وامان کی صورت حال تشویشناک ہونے کی وجہ سے کیا انتظامات کیے گئے۔ پاکستانی عوام گزشتہ سال ۲۰۱۰ء میں مہنگائی، دہشت گردی اور لاقانونیت کا شکار رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سال نو کے لیے عوامی مشکلات کو ختم کیا جائے اور ہنگامی بنیادوں پر بہتری کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ پاکستانی عوام اپنے اندر نظم وضبط اور تحمل برداشت کا مادہ پیدا کریں اور جرائم پیشہ افراد کی بیخ کنی کے لیے حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء ودانشور نئے سال کی آمد کے موقع پر محبت اور بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دیں تاکہ قتل وغارت گری اور مذہبی دہشت گردی کا خاتمہ ہوسکے۔ انفرادی طور پر ہر صاحب ایمان اپنے عمل کا محاسبہ کرے اور گزشتہ اعمال کی روشنی میں نئے سال کے اعمال کو بہتر انداز میں ادا کرے۔ ہمارے بزرگ علمائے کرام کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اپنے گرد وپیش میں رہنے والے لوگوں نیز اپنے نوکروں اور خادموں سے گزشتہ کی تلافی کے لیے عفو ودرگزر کے مواقع پیدا کرکے حقوق الناس کی تکمیل فرماتے اپنے ذاتی ملازمان سے معذرت کرتے، گزشتہ را صلوات اور آئندہ را احتیاط اعلیٰ اخلاقی قدروں میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ معاف کردینا اور معافی مانگنا دلیر اور بہادر لوگوں کا کام ہے۔ تمام اہل اسلام اور اہل ایمان لوگ خداوند عالم کے

(باقی صفحہ ۶ پر)

باب العقائد

خداوند عالم کی صفاتِ ذات و صفاتِ فعل کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

بالفاظِ سہل و سادہ صفات خداوندی کی تین قسمیں ہیں۔ کیونکہ وہ صفات یاتو۔

1. ذات ازدی کے لیے ہمیشہ ثابت ہوں گی، یا:
2. ہمیشہ اس سے منفی ہوں گی، یا:
3. کبھی ثابت اور کبھی منفی ہوں گی۔

پہلی قسم کی صفات کا تعلق چونکہ ذاتِ باری سے ہے، اس لیے ان کو صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ کمالیہ، صفاتِ جمالیہ، صفاتِ حقیقیہ اور صفاتِ ذات الاضافہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بنابر مشہور آٹھ ہیں:

۱۔ قدرت، ۲۔ علم، ۳۔ حیات، ۴۔ ارادہ، ۵۔ ادراک، ۶۔ قدم، ۷۔ تکلم، ۸۔ صدق۔

اگرچہ عند التحقیق خداوند عالم کی صفاتِ کمالیہ بے شمار اور غیر محدود ہیں، جیسا کہ اس مطلب پر سابقہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جاچکی ہے، اور یہ امر بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ چونکہ یہ صفات عین ذات ہیں، یعنی ذات اور صفات میں کسی وقت بھی تفکیک و جدائی متصور نہیں ہو سکتی، لہذا جس طرح ذات ازدی کی کنہ حقیقت تک ہمارے عقول و افہام کی رسائی ممکن نہیں، اسی طرح ان صفات کے ساتھ متصف کرتے ہیں تو درحقیقت مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان صفاتِ جمیلہ کی اضداد کی نفی کی جائے۔ مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ جاہل نہیں ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ خدا قادر ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عاجز نہیں ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ورنہ ہم علم و قدرت خداوندی کی اصل حقیقت و کیفیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس مطلبِ جلیل کی تفصیل بھی پہلے گزر چکی ہے، دوسری قسم کی صفات کو صفاتِ سلبیہ کہا جاتا ہے۔ جن کا تفصیلی تذکرہ سابقہ مباحث میں ہو چکا ہے۔ اور تیسری قسم کی صفات کو صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ اضافات محضہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق فعلِ خداوندی کے ساتھ ہوتا ہے، نہ کہ ذات کے ساتھ جیسے خالق و رازق و محیی و ممیت وغیرہ صفات۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ خداوند عالم سے خلق و رزق وغیرہ افعال صادر نہیں ہوئے تھے۔ لہذا اس وقت وہ خالق و رازق اور محیی و ممیت نہیں تھا، ہاں بعد میں جب اس نے یہ کام انجام دیے تو وہ خالق و رازق کہلایا۔ اسی جامع بیان سے صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ کا باہمی فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کی بقدر ضرورت توضیح یہ ہے کہ وہ صفاتِ جلیلہ جن کا ذاتِ باری

﴿باب التفسیر﴾

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم اور قطع رحمی کی ممانعت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (سورۃ النساء۴: ۱)

ترجمۃ الآیات

(اے انسانو!) اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ قرابت کے بارے میں بھی ڈرو۔ بے شک اللہ تم پر حاضر وناظر ہے۔ (سورۃ النساء۴: آیت۱)

تفسیر الآیات

والارحام۔۔۔الآیۃ

اس "ارحام" کا عطف لفظ "اللہ" پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں سے ڈرو۔ ایک اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، دوسرا رشتوں سے ڈرو۔ قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی ان دونوں کا پاس و لحاظ کرو۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے، فرمایا: "واتقوا الارحام ان تقطعوھا" یعنی قطع کرنے سے بچو۔ (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: صلہ رحمی کی جلالت قدر کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ خدا نے اس کا تذکرہ اپنے نام اور اپنے تقویٰ کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔ (تفسیر صافی)

اسلام نے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے اور قطع رحمی کرنے سے جس قدر شدت کے ساتھ منع کیا ہے دوسرے ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نہیں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امت مسلمہ کا صلہ رحمی کے وجوب اور قطع رحمی کی حرمت پر اتفاق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ رحم کا اطلاق بہت وسیع ہے۔ اس میں دور و نزدیک کے سب اعزا و اقربا داخل ہیں۔ حدیث میں وارد ہے: الرحم معلقة بالعرش تقول الامن وصلنی وصله الله و من قطعنی قطعه الله۔ یعنی رحم عرش خداوندی سے معلق ہے۔ اور دعا کرتا ہے جو مجھے جوڑے اسے خدا جوڑے اور جو مجھے کاٹے اسے خدا کاٹے۔ (المحجۃ البیضاء)

صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، جانکنی میں آسانی ہوتی ہے اور شدائد برزخ و قیامت سے نجات ملتی ہے۔ اور قطع رحمی کرنے سے اس کے برعکس اثر ہوتا ہے۔ (الاثناعشریہ فی المواعظ العددیہ)

حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا کہ خدا نے

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

﴿باب الحدیث﴾

(گزشتہ سے پیوستہ)

عامۃ الناس کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

دین اسلام جو کہ دین فطرت ہے اس میں انسانی باہمی تعلقات کے خوشگوار رکھنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے، بلکہ اسے ہی جوہر انسانیت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ جب کسی آدمی کی آدمیت اور کسی انسان کی انسانیت معلوم کرنا ہو تو یہ نہ دیکھو کہ وہ رکوع کس قدر طویل کرتا ہے اور سجود کس قدر عریض کرتا ہے بلکہ اس کے حسن معاملات پر نگاہ کرو کہ اس کا لوگوں کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس کی صداقت پر نگاہ کرو۔ امانت کی ادائیگی دیکھو اور وعدہ وفائی پر دید کرو۔ (البحار)

❶ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں تم پر مساجد میں نماز پڑھنا اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنا اور گواہی دینا اور لوگوں کے جنازوں میں شامل ہونا لازم ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی دوسرے آدمیوں سے بے نیاز نہیں ہے۔ تمام لوگ دوسرے لوگوں سے میل جول رکھنے پر مجبور ہیں۔ (اصول کافی)

❷ ابن وہب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہمیں عام لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟۔ امامؑ نے فرمایا: ان کی امانت کو ادا کرو، گواہی دو، خواہ ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی مزاج پرسی کرو۔ اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ (اصول کافی)

❸ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں میں وصیت کرتا ہوں کہ تقوائے الٰہی اختیار کرو اور حرام کاری سے اِجتناب کرو اور جو شخص تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت کو ادا کرو۔ خواہ نیک ہو یا بد۔ لوگ بیمار ہوں تو ان کی مزاج پرسی کرو اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت کرو۔ اور اگر محتاج ہوں تو ان کو قرضہ دو۔ (اصول کافی)

(وفیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ)

بقیہ: اداریہ

حضور گزشتہ گناہوں کی معافی مانگیں اور عہد کریں کہ آئندہ زندگی کے تمام لمحات اطاعت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزاریں گے اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم اسلام کو بالعموم اور پاکستان کے عوام کو بالخصوص نئے سال میں خوشیاں نصیب فرمائے اور نئے سال میں کردار و عمل کی پختگی عطا فرمائے اور تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ آمین

باب المسائل

مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ : آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سوالات جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے

ڈیرہ اسماعیل خان

سوال نمبر ۲۱۰ : (گزشتہ سے پیوستہ)

روحانیت کیا ہے؟ اس کا پیمانہ یا حصول یا اس کا عمل دخل کیا ہے؟

جواب باسمہ سبحانہ ! انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے : ۱۔ جسم، اور ۲۔ روح۔ ان دونوں کا مزاج الگ الگ ہے، تقاضے الگ الگ ہیں، غذا الگ الگ ہے، بیماری الگ الگ ہے اور علاج الگ الگ ہے۔ لہذا انسان بدن کے تمام تقاضے پورے کرے اور اس کی خواہشات کی تکمیل کرے، اسے مادی انسان کہا جاتا ہے۔ اور جو روح کے تمام تقاضے پورے کرے اور اس کی غذا اور دوا کا مکمل انتظام کرے، اسے روحانی انسان کہا جاتا ہے۔ الغرض روح کی غذا عبادات شرعیہ کی بجا آوری ہے اور اس کی بیماری محرمات الٰہیہ کا ارتکاب کرنا ہے اور اس کی صحت ان سے اجتناب کرنا ہے بالخصوص روحانیت واجبات کی ادائیگی، محرمات سے اجتناب کرنے کے علاوہ شرعی مستحبات و آداب کے بجالانے اور اخلاق عالیہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے سے منتج ہے۔ اور اسی سے آدمی روحانی کہلاتا ہے۔ رزقنا اللہ ھذہ المرتبۃ۔

سوال نمبر ۲۱۱ : ایک فاضل مصنف مولانا سید علی شرف الدین موسوی نے اپنی تصنیف "انتخاب مصائب ترجیحات" میں طفلان مسلم کو ایک افسانہ اور جعلی قرار دیا ہے جو کہ رونے رلانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ ! اس تلخ نوائی کی معذرت کے ساتھ اگر قوم میں دوچار اور ایسے فاضل مصنف پیدا ہوجائیں تو دین و دیانت اور تاریخ و ثقافت کا جنازہ نکل جائے گا۔ بھلا وہ واقعہ جسے حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے لے کر (در امالی شیخ صدوق) حضرت علامہ مجلسی تک (بحار الانوار) اور حضرت شیخ عباس قمی (در نفس المہموم) سے لے کر علامہ سید علی نقی تک (در شہید انسانیت) اور اس احقر تک (در سعادۃ الدارین) اپنی کتابوں میں پوری تفصیل جمیل کے ساتھ درج کریں، اگر وہ افسانہ ہے تو پھر حقیقت کسے کہتے ہیں؟۔ کیا جناب موسوی پر جبرئیل وحی لائے ہیں کہ ان علماء اعلام کے بیانات افسانہ ہیں اور

ع : مستند ہے موسوی کا فرمایا ہوا؟

ع تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

سوال نمبر ۲۱۲: جناب فاطمہ زہراؑ کے بعد حضرت علیؑ کے عقد میں آنے والی دوسری زوجہ جناب امامہ بنی ابی العاص ہیں یا فاطمہ بنت حزام یا کوئی اور، وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ! جو کچھ تاریخ اسلام کے اوراق سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ کے حین حیات میں دوسری کوئی شادی نہیں کی تھی اور ان کی وفات کے بعد متعدد شادیاں کی تھیں اسی طرح حضرت امیر علی علیہ السلام نے بھی حضرت زہراؑ کے حین حیات میں کسی خاتون سے عقد ثانی نہیں کا تھا اور ان کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے کئی شادیاں فرمائیں اور سب سے پہلے جناب امامہ بنت ابوالعاص سے شادی کی تھی اور بعد ازاں جناب فاطمہ بنت حزام سے۔

سوال نمبر ۲۱۳: انسان کے کردار میں نام کے اثرات کے بارے میں قرآن و حدیث سے تحقیق کیا ہے؟۔ نام بدلنے سے اثرات و کردار، تکلیف و مصیبت کا بدلنا کیسا ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ! بے شک اِسلام میں اچھا نام رکھنے کا حکم ضرور ہے، مگر اس بات کا قرآن و سنت میں کوئی نام و نشان بھی نہیں ملتا کہ نام سے انسان کے کردار یا اس کی روش و رفتار پر کوئی اثر پڑتا ہے، یا نام کے بدلنے سے مقدر بدل جاتا ہے، اور بلا و مصیبت ٹل جاتی ہے۔ یہ صرف ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے و بس۔

سوال نمبر ۲۱۴: کیا جناب لیلی بنت ابی مرہ بن مسعود ثقفی والدہ ماجدہ جناب شاہزادہ علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں، یا صرف قصہ کہانی ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ! علماء محققین کے نزدیک جناب لیلی کا واقعہ کربلا سے بہت عرصہ پہلے مدینہ میں انتقال پر ملال ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ واقعۂ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ اس بات کی پوری تحقیق و تفصیل معلوم کرنی ہو تو ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللھم صل علی محمد و آل محمد

آؤ قرآن سے علاج کریں

امراض کا علاج بذریعہ آیاتِ قرآن

مثلاً کمر درد، جوڑ درد، یرقان، مرگی، بے اولاد، اٹھرا، جادو ٹونہ کا علاج بذریعہ آیاتِ قرآن علاج کیا جاتا ہے

اور مسائل کا بذریعہ اسماءِ الٰہی

ماہر معالج بذریعہ آیاتِ قرآن

صاحبزادہ مولانا آصف حسین

9_B_296 سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

0321_6052268

0306_6745653

0333_8953644

اسیرانِ آلِ محمدؐ کا رہائی کے بعد کربلا میں ورود

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ واپسی پر جب یہ قافلہ [اہل] بیتؑ سرزمین عراق کی سرحد پر پہنچا، جہاں دوراہا تھا، [ایک] راستہ سیدھا مدینہ کو جاتا تھا، اور دوسرا عراق کی [طرف جاتا تھا]، تو انھوں نے راہبر سے فرمایا کہ ہمیں کربلا [ع]راق) کے راستہ سے لے چلو۔ چنانچہ حسب الحکم عراق [کا را]ستہ اختیار کیا گیا۔ جب کربلا میں ورود ہوا اور مقتل گاہ [ک]ے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اسی وقت جناب جابر بن عبداللہ [انص]اری رضی اللہ عنہ اور کچھ ہاشمی قبر حسینؑ کی زیارت کے لیے [مد]ینہ سے کربلا پہنچے ہیں۔ جناب ابن طاؤس نے لکھا ہے:

[ف]وافدا فی وقت واحد وتلاقوا بالبکاء والحزن واللطم و [أق]اموا الماتم المقرحة للاکباد و اجتمع الیھم نساء [ذ]لک السواد فاقاموا علی ذلک ایاما"۔ یعنی دونوں قافلے [ا]یک ہی وقت میں بروز اربعین یعنی (بستم (۲۰) صفر کو) [و]اردِ کربلا ہوئے۔ انتہائی حزن و ملال اور گریہ و بکا کے [س]اتھ باہمی ملاقات ہوئی۔ جگر خراش انداز میں مراسم عزاداری بجالائے۔ اور اس علاقہ کی عورتیں بھی آکر [ش]ریک ماتم و غم ہوگئیں۔ کئی روز (بروایت ریاض الاحزان [ص]فحہ ۱۵۷ تین یوم) تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ جناب جابرؓ کی [کی]فیت زیارت مفصل طور پر بشارۃ المصطفیٰ (صفحہ ۸۹ پر) طبع النجف وغیرہ کتب میں بروایت عطیہ عوفی مرقوم ہے۔

تبصرہ

مخفی نہ رہے کہ رہائی کے بعد واپسی پر اس قافلہ کا کربلا پہنچنا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اختلاف کی آماجگاہ ہے۔ بعض حضرات نے تو محض اس استبعاد کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شہادت امام کے بعد ابن زیاد کا قاصد شام جائے، پھر وہاں سے حکم یزید لائے۔ بعد ازاں اسیرانِ اہل بیت کو شام بھیجا جائے اور وہاں کچھ عرصہ ان کو زندان میں رکھا جائے اور پھر رہائی کے بعد وہی قافلہ بروز اربعین بستم صفر کو کربلا میں بھی پہنچ جائے۔ یعنی صرف چالیس روز کی قلیل مدت میں یہ سب کچھ ہوجائے۔ سرے سے اس واقعہ کا انکار کردیا ہے۔ (محدث نوری (در لؤلؤ و مرجان) و محدث قمی (در منتہی الآمال) فاضل امروہوی (در مجاہد اعظم) اور بعض نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کوفہ سے شام جاتے وقت کربلا میں ورود ہوا تھا، (مرزا شپہر کاشانی (در ناسخ جلد۶ صفحہ ۳۵۳) اور بعض نے یہ بے پر کی اڑائی کہ کربلا میں یہ ورود اور جناب جابرؓ سے ملاقات ایک سال کے بعد دوسری اربعین ۶۲ھ کو ہوئی۔ (مظلومہ کربلا صفحہ ۳۶۲۔ اس

کتاب میں یہ زیادتی بھی کی گئی ہے کہ ۲۰ صفر ۶۲ھ لکھ کر نیچے لہوف، منتخب طریحی اور ناسخ کا نام درج کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کتب میں ۶۲ھ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ (منہ عفی عنہ) الغرض ع

ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را

ہم اسی کتاب کے اسی باب کی ابتداء میں جو تحقیق پیش کر آئے ہیں کہ بنا بر تسلیم ارسال قاصد پندرہ محرم تک سدھائے ہوئے کبوتر یا تیز گام قاصد کے ذریعہ سے یزید کا پیغام ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسی روز اس نے اس لٹے ہوئے قافلہ کو شام کی طرف روانہ کر دیا تھا اور یکم صفر کو قریبا پندرہ یوم میں یہ قافلہ شام پہنچا۔ پھر زندان وغیرہ میں سات روز قیام کرنے کے بعد آٹھویں دن یعنی آٹھویں صفر کو واپس روانہ ہوا، اس طرح قریبا بارہ یوم میں یہ قافلہ بآسانی کربلا پہنچ سکتا ہے۔ اور ان حقائق کی روشنی میں مذکورہ بالا استبعادات کا کوئی محل اور وزن باقی نہیں رہ جاتا اور نہ ہی ان کی بنا پر ایک مشہور واقعہ کی صحت کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ صاحب تظلم الزہراء نے صفحہ ۲۸۷ پر ایسے ہی استبعادات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعد تسلیمہ محض استبعاد و لا یبقی بمحضہ انکار الروایات۔ بعد ازاں ثابت کیا ہے کہ کوفہ شام تک تیز رو قاصد تین یوم میں پہنچ سکتا ہے، خصوصاً جب کہ کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع دینا ہو، جیسے شہادت امام مظلوم کی خبر مشوم فراجع۔

باقی رہا یہ خیال کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اکابر علماء مثل شیخ صدوق و شیخ مفید و امثالہم رضوان اللہ علیہم اس واقعہ کا ذکر کرتے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ ان بزرگواروں کا بوجہ اختصار اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا اس واقعہ کے عدم وقوع کی دلیل نہیں بن سکتا، جب کہ یہ واقعہ دوسری کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ بوجہ اختصار جب انھوں نے دیگر منازل و حالات سفر کو قلم بند نہیں کیا تو اگر اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے، آخر یہ اس سفر کی ایک منزل ہی تو ہے۔

زیارت اربعین کی فضیلت

غالبًا اسی وجہ سے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اربعین کے دن جناب سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کی تھی اور اسی روز سے زیارت حسینؑ کو علامات مؤمن میں داخل کر دیا گیا۔ جیسا کہ امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے، فرمایا: علامات المؤمن خمس صلوٰۃ احدی و خمسین و زیارۃ الاربعین و الجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و التختم فی الیمین و تعفیر الجبین۔ مومن کی پانچ علامتیں ہیں:

1. شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھنا۔
2. زیارت اربعین کرنا۔
3. نماز میں بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھنا۔
4. داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔
5. سجدہ میں خاک پر جبہ سائی کرنا۔

(تہذیب الاحکام شیخ طوسی جلد ۲ صفحہ ۱۷،
احتجاج طبرسی طبع النجف)

باب المتفرقات

قافلہ اہل بیتؑ روضۂ رسولؐ پر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو پہلے پہل سیدھا مسجد نبوی اور روضۂ رسولؐ کے پاس پہنچا۔ فلک کج رفتار اور دیدہ دہر غدار نے لاکھوں جگر سوز اور جاں گداز سانحے دیکھے ہوں گے مگر اس نے علیؑ و بتولؑ کی لاڈلیوں اور رسولِ اسلام کی نواسیوں اور حسینؑ مظلوم کی بیٹیوں کی واقعہ کربلا کے بعد قید و بند کی صعوبتیں اور طویل سفروں کی دل ہلا دینے والی مشکلیں جھیلنے کے بعد روضہ رسولؐ پر پہنچنے جیسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ جب کہ ام المصائب زینب کبریٰؑ نے مسجد نبویؐ کے دروازہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: "یا جداہ! انی ناعیة الیك اخی الحسین" اے جد نامدار! میں آپ کے پاس اپنے بھائی حسینؑ کی خبر شہادت لائی ہوں۔ اس وقت بی بی عالم کی یہ حالت تھی کہ نہ تو آنکھوں سے آنسو تھمتے تھے اور نہ گریہ و بکاء اور نوحہ و بین کرنے میں افاقہ ہوتا تھا۔ اس حال میں جب بھی شریکۃ الحسینؑ کی نظر امام زین العابدینؑ پر پڑتی تھی تو ان کے حزن و ملال میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)

بعض کتب میں وارد ہے کہ اس کے بعد جناب ام کلثومؑ باچشم گریاں و دل بریاں قبر رسولؐ کی طرف بڑھیں اور عرض کیا: "السلام علیك یا جداہ! انی ناعیة الیك ولدك الحسین"۔ اے نانا! آپ پر درود و سلام ہو۔ میں آپ کے فرزند حسینؑ کی خبر شہادت سنانے آئی ہوں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)

بعض کتب میں لکھا ہے کہ اس وقت جناب سکینہ بنت الحسینؑ نے بآواز بلند کہا: "یا جداہ! الیك المشتکی مما جری علینا فواللہ ما رأیت اقسی من یزید ولا رأیت کافرا ولا مشرکا شرا منه ولا اجفا واغلظ فلقد کان یقرع ثغرابی بمخصرته و هو یقول کیف رأیت الضرب یا حسین"۔ اے جد بزرگوار! جو کچھ ہم پر مصائب و آلام گزرے ہیں، تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم میں نے یزید سے بڑھ کر کوئی قسی القلب اور کوئی کافر و مشرک اور شریر نہ دیکھا، اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی درشت خو اور جفاکار دیکھا ہے۔ وہ اپنی چھڑی میرے بابا کے دندان پر مارتا بھی تھا اور ساتھ یہ بھی کہتا تھا: اے حسینؑ بتاؤ اس ضرب کو کیسا پاتے ہو؟۔

لا اضحك اللہ سن الدهر ان ضحکت
یوما و آل رسول اللہ قد قهروا

انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنا چہرہ مبارک قبر رسولؐ پر رکھ کر روتے ہوئے کہا:

انا جيك يا جداه يا خير مرسل
حبيبك مقتول و نسلك ضائع
انا جيك محزونا عليلا موجلا
اسيرا و مالى حامى و مدافع
سبينا كما تسبى الاماء و مسنا
من الضر ما لا تحتمله الا ضائع
ايا جد يا جداه بعدك اظهرت
امية فينا مكرها و الشنائع

(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۵۷)

اس وقت لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ابر بہاری کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور ہر طرف سے وا محمداہ! وا علیاہ! وا حسناہ! وا حسیناہ! کی آوازیں بلند تھیں۔ بقول ناسخ التواریخ پندرہ روز تک اسی طرح گریہ و بکاء اور نوحہ و عزا کا سلسلہ جاری رہا۔ اور مخدرات عصمت و زنان بنی ہاشم کی یہ کیفیت تھی کہ لباس غم پہن کر دن رات سید الشہداء پر گریہ و بکاء کرتی رہتی تھیں اور امام زین العابدینؑ ان کے لیے طعام پکوا کر بھیجتے تھے۔ (محاسن برقی جلد ۲ صفحہ ۴۲۰)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ما اختضبت هاشمية ولا ادهنت ولا اجيل مرود فى عين هاشمية خمس حجج حتى بعث المختار برأس عبيد الله بن زياد۔ جب تک مختار نے عبید اللہ بن زیاد کا سر نہیں بھیجا اس وقت تک پورے پانچ سال زنان بنی ہاشم میں سے کسی عورت نے نہ خضاب لگایا اور نہ تیل اور نہ کسی نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا۔ (مقتل الحسین للمقرم صفحہ ۳۵۳)

امام زین العابدینؑ کے گریہ و بکاء اور حزن و ملال کی کیفیت کیا تھی؟ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی سن لیجیے، فرمایا: ان زين العابدين بكى على ابيه اربعين سنة صائما نهاره و قائما ليلة فاذا احضر الافطار و جاء غلامه بطعامه و شرابه فيضعه بين يديه فيقول قتل ابن رسول الله جائعا قتل ابن رسول الله عطشانا فلا يزال يكرر ذالك و يبكى حتى يبتل طعامه من دموعه و يمزج شرابه بدموعه فلم يزل كذالك حتى لحق بالله عز و جل۔ زین العابدین علیہ السلام اپنے بابا (کے مصائب) پر چالیس برس روئے۔ کیفیت یہ تھی کہ دن کو روزہ رکھتے، رات بھر عبادت خدا کرتے۔ جب افطاری کا وقت ہوتا اور غلام روٹی پانی لا کر سامنے حاضر کرتا اور عرض کرتا: میرے آقا! کھانا تناول فرمایئے! تو آپؑ فرماتے: فرزند رسولؐ کا بھوکا شہید کیا گیا۔ ان کلمات کا بار بار تکرار فرماتے اور ساتھ ہی اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے کھانا تر ہو جاتا اور آنسو پانی میں مل جاتے۔ آپؑ یہ یہی حالت رہی، یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی میں تشریف لے گئے۔ (ملہوف صفحہ ۱۸۹)

مخفی نہ رہے کہ بنا بر مشہور امام سجادؑ کی ولادت ۱۵ر جمادی الثانی ۳۸ھ اور ستاون سال کی عمر میں ۲۵ محرم ۹۵ھ میں شہادت واقع ہوئی۔ واقعہ کربلا کے وقت آپؑ کی عمر تیئیس برس تھی اور واقعہ کربلا کے بعد ۳۵ برس زندہ

رہے۔ مگر اس روایت میں چالیس برس تک ہونا مذکور ہے۔ تعجب ہے کہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق بیمار کربلا کی ستاون سال کی عمر کے قائل حضرات بھی بلا تبصرہ مذکورہ بالا روایت درج کردیتے ہیں اور اس اشکال کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ چونتیس اور چالیس سال کیونکر جمع ہوسکتے ہیں، ممکن ہے کہ اصل روایت میں اربعہ وثلاثون کا لفظ وارد ہو اور بعد میں کتابت کی غلطی سے اربعین بن گیا ہو۔ واللہ العالم۔ (منہ عفی عنہ)

جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا غلام روایت کرتا ہے کہ ایک بار آپؑ صحرا کی طرف نکل گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ دیکھا کہ آپ ایک درشت پتھر کے اوپر سجدہ ریز ہیں اور بلند آواز سے گریہ وبکار فرما رہے ہیں اور تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس کا ایک ہزار بار تکرار کرتے ہوئے سنا: لا الہ الا اللہ حقا حقا لا الہ الا اللہ تعبدا ورقا لا الہ الا اللہ ایمانا و تصدیقا وصدقا۔ اس کے بعد آپؑ نے سربلند کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ کا چہرہ انور اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر بتر تھے۔ میں نے عرض کیا: یا سیدی اما ان لحزنك ان ینقضی ولبکائك ان یقل؟۔ میرے آقا! کیا کبھی آپ کا حزن وملال ختم نہ ہوگا؟ اور گریہ وبکار کم نہ ہوگا؟۔ میرا یہ سوال سن کر امامؑ نے فرمایا: ویحك ان یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم کان نبیا ابن نبی له اثنی عشر ابنا فغیب الله واحدا منهم فشاب رأسه من الحزن واحدو دب ظهره من الغم وذهب بصره من البکاء وابنه حی فی دار الدنیا وانا رأیت ابی واخی و سبعة عشر من اهل بیتی صرعی مقتولین فکیف ینقضی حزنی ویقل بکائی۔ افسوس ہے تجھ پر یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ نبی اور نبی زادہ تھے۔ خدا نے ان کو بارہ فرزند عطا فرمائے تھے اور صرف ایک کو (کچھ عرصہ کے لیے ان کی آنکھوں سے) پوشیدہ کردیا تھا، اس کے نتیجہ میں بوجہ حزن سر سفید بسبب غم کمر خمیدہ اور بوجہ گریہ بصارت ختم ہوگئی تھی، حالانکہ ان کا فرزند دنیا میں زندہ موجود تھا، مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے باپ، بھائی اور اپنے خانوادہ کے دوسرے سترہ شہیدوں کو مقتول حالت میں زمین پر پڑا ہوا دیکھا ہے۔ اس لیے میرا حزن و ملال کیونکر ختم ہوسکتا ہے؟ اور میرا گریہ وبکار کس طرح کم ہوسکتا ہے؟۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

خریداران سے گزارش

ماہنامہ "دقائق اسلام" کے بارے میں تجاویز و شکایات و ترسیل زر درج ذیل پتے پر کریں

گلزار حسین محمدی

مدیر ماہنامہ "دقائقِ اسلام"

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

موبائل نمبر: 0301.6702646

﴿باب المتفرقات﴾

(گزشتہ سے پیوستہ)

خلافت قرآن کی نظر میں

تحریر: محقق عصر مولانا سید محمد حسین زیدی برتی مدظلہ العالی (چنیوٹ)

کیا اِنسان خُدا کا خلیفہ ہے؟

خلافت کو کوئی عہدہ یا منصب قرار دینے والے اور تمام اِنسانوں کو خدا کا خلیفہ ثابت کرنے والے ان آیات کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جن میں خلفاء، خلائف اور یستخلف کے الفاظ آئے ہیں اور یہ الفاظ صرف اور صرف خصوصی طور پر قوم نوح، قوم ہود، قوم عاد، قوم ثمود اور بنی اسرائیل کے قصوں میں وارد ہوئے ہیں اور قرآن کریم نے ان قوموں کے حالات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کا صحیح مطلب اور مفہوم معلوم کرنے کے لیے ان قوموں کے حالات کا جاننا ضروری ہے۔ ان قوموں کے حالات بیان کرنے سے پہلے ایک بات کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے جو انسانی ڈھانچے نکالے ہیں ان کے مطابق وہ لاکھوں سال پہلے کے انسانی ڈھانچے ہیں جو کسی افتاد کی وجہ سے ہلاک ہوگئے تھے۔ گویا یہ آدم سے پہلے کی کسی نسل کے ڈھانچے ہیں۔ اس صورت میں آدم کے بعد کی نسل انسانی آدم سے پہلے کی نسل انسانی کی جانشین قرار پائے گی۔ لیکن ماہرین آثار قدیمہ کی مذکورہ تحقیق سے قطع نظر آدم کے آنے کے بعد بھی آدم کی اولاد میں سے نسل انسانی بھی کئی دفعہ ہلاکت سے دوچار ہوئی ہے۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں اجمالی طور پر اس طرح سے بیان کرتا ہے: "وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح و کفی بربك بذنوب عبادہ خبیرا بصیرا"۔ (بنی اسرائیل: ۱۷) ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر ڈالا اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

پھر سورہ مریم میں ارشاد ہوتا ہے: "وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا"۔ (مریم: ۹۸) اور ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانوں کے لوگوں کو اور کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کردیا ہے۔ آیا اب ان میں سے تم کسی کو حرکت کرتے ہوئے محسوس کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیہ آواز تک بھی سنتے ہو۔ پھر سورہ مرسلات میں ایک اصل کلی کو اس طرح سے بیان کرتا ہے: "الم نھلك الاولین ثم نتبعھم الآخرین کذالك نفعل بالمجرمین" (مرسلات: ۱۶-۱۸) "کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر ہم پچھلوں کو ان کے پیچھے پیچھے بھیجتے رہتے ہیں۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اس آیت میں جس ہلاکت کا ذکر ہوا ہے وہ طبعی موت والی ہلاکت نہیں ہے۔ کیونکہ طبعی موت کسی کو نہیں دیکھتی۔ یہ مجرم اور متقی دونوں کو آتی ہے۔ لیکن اس آیت میں جس ہلاکت کا ذکر ہے وہ مجرموں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ہلاکت اسی دنیا کی ہلاکت ہے۔ لہذا یہ عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے کا بیان ہے۔ عذابِ الٰہی سے ہلاک ہونے کے علاوہ ایک طبعی موت سے مرنا بھی ہلاکت ہی ہے، جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کل شئ هالك الا وجهه"۔ (القصص: ۸۸)

"خدا کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے"۔

اس میں انسان کی قید نہیں ہے، ہر شے میں جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان وغیرہ سب ہی آگئے۔ اور یہ سب کے سب اپنی طبعی مدت پوری کر کے ختم ہوجاتے ہیں۔ ان میں انسان بھی شامل ہے۔ گویا انسان کے لیے دو ہلاکتیں ہیں۔ ایک عذاب کے ذریعہ جس میں نسلیں کی نسلیں ایک دم ختم ہوجاتی ہیں، دوسرے طبعی موت کے ذریعہ جو اپنی طبعی عمر پوری کر کے ختم ہوتی ہیں۔ پہلی صورت میں ہلاکت کے بعد جو لوگ ان کی جگہ بستے اور ان کی جگہ لیتے ہیں وہ ان کے قائم مقام اور ان کے جانشین ہوتے ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں وہ ان کے خلفاء یا خلائف کہلاتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں بھی ایک پوری نسل ایک دوسری نسل کی اس طرح سے جانشین ہوجاتی ہے کہ پہلی نسل پوری کی پوری جاچکی ہوتی ہے۔ مثلاً فرض کریں کہ آج انسان ایک دن کے بچہ سے لے کر زیادہ سے زیادہ سو برس کا حد ۱۵۰ برس کا ہوگا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج سے سوڈیڑھ سو سال پہلے موجودہ نسل انسانی میں سے کوئی بھی فرد بشر موجود نہیں تھا اور ایک اور ہی نسل زمین پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ لہذا موجودہ سوڈیڑھ سو سال کی ساری کی ساری نسل انسانی سوڈیڑھ سو سال پہلے کے انسانوں کی جانشین ہے اور قرآن نے ان کو بھی ان پہلے لوگوں اور اس پہلی نسل کا جانشین اور خفار یا خلائف کہا ہے۔ اب ہم ان قوموں کی تباہی کا حال لکھتے ہیں جو عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئیں اور ان کے بعد ان کی جگہ زمین پر آباد ہونے والوں، ان کی جگہ بسنے والوں اور ان کی جگہ لینے والوں کو قرآن نے خلفاء یا خلائف کہا ہے۔
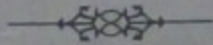
خُدا نے خلفاء یا خلائف اور یستخلف کن کو کہا ہے؟

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ گزشتہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے پس ماندگان اور زندہ بچ رہنے والوں کے لیے اِستعمال ہوئے ہیں جو ان کی جگہ آباد ہوئے۔ لہذا آئیے ان قوموں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

سب سے پہلے یہ لفظ قرآن کریم میں قوم نوح کے پس ماندگان کے لیے اِستعمال ہوا ہے۔ اور ان کا واقعہ مختصر

طور پر اس طرح ہے کہ جب حضرت نوحؑ اپنی قوم کے پاس آئے تو انھوں نے اپنی قوم کو خدا کی عبادت کی طرف دعوت دی اور انھیں ایک بڑے عذاب سے ڈرایا۔ قرآن کہتا ہے : "لقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم"۔ (الاعراف : ۵۹) "ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ پس انھوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تمھارے اوپر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

"فکذبوہ فانجیناہ والذین معہ فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بآیاتنا انھم قوما عمین"۔ (الاعراف : ۶۴) "پس نوح کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے خود ان کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کشتی میں نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا۔ بے شک وہ لوگ کور باطن تھے"۔

خداوند تعالیٰ نے قوم نوح کے تمام کافروں کو ہلاک کرکے نوحؑ کو اور ان پر ایمان لانے والے جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو نجات دی جن کی تعداد ایک قول کے مطابق آٹھ اور ایک قول کے مطابق اسی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے انھیں زمین پر آباد کیا اور زمین پر ان آباد ہونے والوں کو خدا نے خلائف کہا۔ ارشاد ہوتا ہے :

"فکذبوہ فانجیناہ ومن معہ فی الفلک وجعلناھم خلائف واغرقنا الذین کذبوا بآیاتنا فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین"۔ (یونس : ۷۳) "پس نوحؑ کی قوم نے نوحؑ کو جھٹلایا تو ہم نے خود ان کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے ان کو نجات دی اور ان کو (ان غرق ہونے والے تمام لوگوں کا) جانشین (خلائف) بنا دیا اور ان تمام لوگوں کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے ڈبو دیا۔ پس سوچ لو کہ ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔

کتنا صاف اور واضح بیان ہے کہ جھٹلانے والوں کو غرق کردیا اور نوح کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے انھیں نجات دی اور انھیں غرق ہونے والوں کا خلائف بنا دیا۔ یعنی اب زمین پر کشتی میں نجات پانے والے آباد ہوئے اور قوم نوح کے پس ماندگان اور زندہ بچ رہنے والے ان مرنے والوں کے خلائف کہلائے۔ جن کی اولاد میں قوم عاد ہوئی۔ اور جب یہ قوم عاد بگڑی تو خدا نے ان ہی میں سے ان کے بھائی ہود کو ان کے پاس بھیجا۔

"و الی عاد اخاھم ھود قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ افلا تتقون"۔ (الاعراف : ۶۵) "اور عاد کی طرف ہم نے انہی کے بھائی ہود کو بھیجا، انھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا تم (خدا کے عذاب سے) نہیں ڈرتے؟"۔

ہود نے انھیں خدا کا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ خدا نے انھیں کشتی کے ذریعہ نجات دے کر اور کافروں کو غرق کرکے ان کی جگہ زمین میں بسایا تھا۔ ہود کہتے ہیں :

"واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح"۔ (الاعراف : ۶۹) "اے قوم عاد اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کو غرق کرکے تمھیں ان کا جانشین (خلفاء) بنایا تھا اور ان کی بجائے تمھیں زمین میں بسایا تھا۔

سورۂ یونس کی آیت ۷۳ میں کشتی میں نجات پانے والوں کے لیے کہا کہ انھیں ڈوبنے والوں کا خلائف بنایا، اور ہود کہتے ہیں کہ قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد تمھیں ان کے خلفاء بنایا ہے۔ پس خلائف بھی اور خلفاء بھی ان دونوں آیات میں اس معنی میں ہے کہ نوح کی قوم ساری کی ساری غرق ہو گئی اور جو تھوڑے بہت زندہ بچے انھیں ان کی جگہ زمین پر بسایا گیا اور وہ قوم نوح کے جانشین بنے۔ لہٰذا ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے، سراسر غلط ہے۔ خدا نے تو زندہ بچ رہنے والوں کو ڈوبنے والوں کا خلائف اور خلفاء کہا ہے اور اپنا خلیفہ نہیں کہا، اور نہ ہی یہاں اقتدار کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی کے حق میں دست بردار ہونے کا کوئی قصہ ہے۔ اور جب قوم عاد نے کفر و شرک کی راہ اختیار کرلی تو حضرت ہود نے ان سے کہا:

"فان تولوا فقد ابلغتکم ما ارسلت بہ الیکم و یستخلف ربی قوما غیرکم و لا تضرونہ شیئا ان ربی علی کل شئ حفیظ"۔ (ہود: ۵۷) "جو حکم دے کر میں تمھارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تو میں نے پہنچا دیا، اب اگر تم اس کے حکم سے منہ پھیرو گے اور اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمھاری نافرمانی پر تمھیں ہلاک کر دے گا، اور وہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو تمھارا جانشین بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے"۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں: یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں، میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی فکر کرلو۔ ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب اور عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمھاری تباہی سے ویران نہ ہوگی، وہ دوسرے لوگوں کو تمھارے اموال وغیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمھارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگڑتا، نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا محافظ و نگران ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کا سامان اپنی قدرت کاملہ سے کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی فائدہ ۳ صفحہ ۲۹۵)

بہر حال اس آیت میں واقع "یستخلف" کے لفظ سے ثابت ہوا کہ "یستخلف" کا لفظ عذاب کے ذریعہ ہلاک کر کے دوسروں کو ان کی جگہ آباد کرنے کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ہود کی ہدایت کے باوجود قوم عاد ایمان نہ لائی تو خدا نے قوم عاد کے کافروں پر بھی عذاب نازل کر دیا، اور صرف انھیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو زندہ سلامت بچا لیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"و لما جاء امرنا نجینا ہودا و الذین آمنوا معہ برحمۃ منا و نجیناھم من عذاب غلیظ"۔ (ہود: ۵۸) "اور جب ہمارے عذاب کا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی مہربانی سے نجات دی اور انھیں سخت عذاب سے زندہ بچا لیا"۔

پھر قوم عاد میں سے یہ زندہ بچ رہنے والے زمین میں آباد ہوئے، پھلے پھولے اور قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور جب قوم ثمود نے بھی کفر اور شرک کی راہ اختیار کرلی تو خدا نے ان کی طرف ان ہی کے بھائی صالح کو

ہدایت کرنے کے لیے بھیجا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:
"والی ثمود اخاھم صالحا قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ"۔ (الاعراف: ۷۳) "اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انھوں نے ان سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے"۔

حضرت صالح نے اپنی قوم ثمود کو اللہ کا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ اللہ نے قوم عاد کو ہلاک کرتے وقت تمھیں زندہ بچایا تھا اور تمھیں ان کی جگہ آباد کیا تھا، ارشاد ہوتا ہے: "واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا و تنحتون من الجبال بیوتا فاذکروا آلاء اللہ و لا تعثوا فی الارض مفسدین"۔ (الاعراف: ۷۴) "اور تم (اللہ کے اس احسان کو) یاد رکھو کہ اس نے تمھیں قوم عاد (کی ہلاکت) کے بعد (زندہ بچا کر) ان کا جانشین بنایا تھا۔ اور تم کو زمین میں آباد کیا تھا کہ نرم زمین میں تو تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بناتے ہو تو اب اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہو اور زمین میں فساد کرتے مت پھرو"۔

اس آیت میں "بوأکم فی الارض" (تمھیں زمین میں ان کی جگہ آباد کیا) کہہ کر "جعلکم خلفاء من بعد عاد" کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی قوم کو ہلاک کر کے ان کے پس ماندگان کو یا کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ بسانا اور آباد کرنا ہی ان کی جانشینی ہے اور وہ ان کے "خلفاء" اور "خلائف" ہیں اور نرم زمین میں محل بنانا اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امن و سلامتی کے ساتھ آباد ہونے اور بسنے کی بات ہے کسی اقتدار یا منصب پر فائز ہونے کی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنا احسان جتا کر کہتا ہے: "و لا تعثوا فی الارض مفسدین"۔ "اور تم زمین میں فساد کرتے مت پھرو"۔ یہاں پر زمین پر فساد کرنے سے مراد خدا کے مقرر کردہ ہادی کی اطاعت سے انحراف اور خدائی اقتدار کے نمائندوں یعنی نبی و رسول و امام کی مخالفت ہے اور اس پر اسی سورہ کی اگلی آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہے: "قال الملاء الذین استکبروا من قومہ للذین استضعفوا لمن اٰمن منھم اتعلمون ان صالحا مرسل من ربہ قالوا انا بما ارسل بہ مؤمنون"۔ (الاعراف: ۷۵) "ان کی قوم میں سے جو خود سے بڑے بن گئے تھے اور سردار یا حاکم بن بیٹھے تھے انھوں نے ان لوگوں میں سے جو کمزور بنا دیے گئے تھے ایمان لانے والوں سے یہ کہا: کیا تم یہ جانتے ہو کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے۔ انھوں نے کہا کہ جو کچھ یہ لے کر آئے ہیں ہم تو بالیقین اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس آیت میں زمین پر آباد ہونے والی نسل انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایک "الذین استکبروا" "جو خود سے اپنے ہی آپ از راہ تکبر بڑے بن گئے، اقتدار سنبھال لیا اور حاکم بن بیٹھے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو کمزور بنا دیے گئے، مغلوب کر لیے گئے، انھیں قرآن نے "استضعفوا" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ پس ایک گروہ مستکبرین کا ہوا اور دوسرا مستضعفین کا۔ حضرت صالح پر ایمان لانے والوں میں ان ہی مستضعفین

کے کچھ افراد تھے لیکن وہ لوگ جو خود سے بڑے بن گئے تھے مستکبرین تھے، برسراقتدار آ گئے تھے، حاکم بن گئے تھے وہ بالکل ایمان نہ لائے۔ قرآن کہتا ہے: قال الذین استکبروا انا بالذی اٰمنتم بہ کافرون"۔ "خود سے بڑے بن جانے والوں نے اور برسراقتدار آجانے والوں نے یہ کہا کہ تم جس پر ایمان رکھتے ہو ہم اس کے بالیقین منکر ہیں"۔

ان آیات کا واضح مطلب یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ ہادی اور خدائی اِقتدار کے نمائندوں کی اطاعت سے اِنحراف زمین میں فساد ہے اور کسی کا اپنے طور پر برسر اقتدار آجانا خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے آئے، اِستکبار ہے۔

اب ہم پھر حضرت ہود کی پیش گوئی کی طرف لوٹتے ہیں۔ حضرت ہود نے فرمایا: "یستخلف ربی قوما غیرکم"۔ "تیرا رب تمھیں ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمھارا جانشین بنا دے گا۔ یعنی ہود کے یہ کہنے میں کہ "یستخلف" کافر قوم کے لیے عذاب کی پیش گوئی ہے۔ گویا جب خدا "خلف" کے مادہ کو باب "استفعال" میں لا کر استخلاف کے اِشتقاق کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اس میں کافروں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ایمان لانے والوں کو بسانے کی پیش گوئی ہوتی ہے خدا کا اپنا خلیفہ بنانے کی پیش گوئی نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں خلفاء اور خلائف کے الفاظ کسی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے پس ماندگان کے لیے آتے ہیں جو ان کی جگہ آباد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح طوفان میں غرق ہوئی اور کشتی میں زندہ بچ رہنے والوں اور زمین پر نئے سرے سے آباد ہونے والوں کو خدا نے تو خلائف کہا۔ (یونس: ۷۳) اور حضرت ہود نے انہی کو خدا کا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے کہ خدا نے سارے کافروں کو ہلاک کر کے انھیں زندہ بچا لیا تھا اور انھیں ان کی جگہ آباد کیا تھا، "خلفاء" کہا۔ (الاعراف: ۶۰) اور "یستخلف" کا لفظ کسی قوم پر عذاب کے بعد دوسروں کو آباد کرنے کی پیش گوئی کے لیے آتا ہے اور سورہ الاعراف کی آیت ۷۴ کا لفظ "بوأکم" "تمھیں آباد کیا" "یستخلف" کی وہ تفسیر ہے جو حضرت صالحؑ کی زبانی خود خدا نے بیان فرمائی ہے۔ پس قوم نوح ہلاک ہوئی اور ان کے پس ماندگان اور بچے کھچے لوگ ان کی جگہ زمین پر آباد ہوئے اور قوم نوح کے خلفاء کہلائے اور ان کی اولاد میں قوم عاد ہوئی۔ پھر قوم عاد ہلاک ہوئی اور ان کے پس ماندگان اور بچے کھچے لوگ ان کی جگہ زمین پر آباد ہوئے۔ اور قوم عاد کے خلفاء کہلائے اور ان کی اولاد میں قوم ثمود ہوئی۔ سورۂ فاطر اور سورۂ یونس میں بھی "خلائف" کا لفظ آیا ہے جو مکی سورتیں ہیں، اور ان میں پیغمبر کے زمانہ کے کافروں سے خطاب ہے۔ سورۂ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے: "ھوالذی جعلکم خلائف فی الارض فمن کفر فعلیہ کفرہ"۔ (الفاطر: ۳۰) وہی تو ہے جس نے تمھیں زمین میں پہلوں کا جانشین بنایا۔ پس جو کافر ہو گیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا۔ اور سورۂ یونس میں پیغمبر اکرمؐ کے زمانے ہی کے کافروں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا و جائتھم رسلھم بالبینات و ما کانوا لیومنوا کذالک نجزی القوم المجرمین ثم جعلناکم خلائف فی

الارض من بعد ھم لننظر کیف تعملون"۔ (یونس : ۱۳۔۱۴) "بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سی نسلوں، پشتوں اور ابنائے زمانہ کو ہلاک کر دیا۔ کیونکہ انھوں نے نافرمانیاں کی تھیں۔ حالانکہ ان کے رسُول ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ مگر وہ اس قابل ہی نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمھیں آباد کیا، تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ان آیات میں "اھلکنا القرون من قبلکم"۔ "یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی نسلوں کو ہلاک کر دیا"۔ کہنے کے بعد یہ کہنا کہ: "ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم"۔ "پھر ہم نے ان کے بعد تم کو ان ہلاک ہونے والی نسلوں کا جانشین بنایا۔ اتنا واضح اور روشن بیان ہے کہ اس میں نہ تو انسان کے خدا کا خلیفہ ہونے کی کوئی بات ہے نہ کسی قوم کے خدا کا خلیفہ ہونے کی بات ہے اور نہ ہی اس میں کسی کے حق میں دست بردار ہو کر کسی کو سربراہ مملکت بنانے کی بات ہے، بلکہ یہ صرف اپنا ایک عقیدہ قائم کر کے اپنے اس پہلے سے قائم کردہ عقیدہ پر زبردستی قرآن کی آیات کو چپکانے کی بات ہے، جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے کہ: "ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے در اصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے"۔

بہر حال یہاں تک "خلیفہ" "خلفاء" اور "خلائف" کے الفاظ کی تحقیق و تشریح و توضیح، تفصیلی طور پر احسن طریقہ سے ہو چکی ہے۔ اب ہم اس سے آگے "یستخلف" کے بارے میں کچھ مزید وضاحت کریں گے، مزید وضاحت اس لیے کہ کچھ وضاحت حضرت ہود کی پیش گوئی میں کی جا چکی ہے، وہاں رجوع کریں۔

بقیہ: عشق کی خوشبو

لیکن نوکرانی نے اس کی دھمکی کو ٹھکرا دیا، اور اپنے عقیدہ سے اِنحراف کے لیے آمادہ نہ ہوئی۔ فرعون نے حکم صادر کیا۔ اس کے چاروں ہاتھوں اور پیروں میں میخ ٹھونک دی گئی۔ اور میخوں کو زمین میں گاڑ دیا گیا، اور اس کے سینہ پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیے گئے۔

فرعون نے کہا: اپنے دین سے دستبردار ہو جاؤ۔

لیکن اس نوکرانی نے فرعون کی بات ماننے سے اِنکار کر دیا۔

فرعون نے حکم صادر کیا: اس عورت کی بڑی لڑکی کو لا کر اس کے سینہ کے اُوپر ذبح کر دیا جائے۔ اس کی بیٹی کو لا کر اس عورت کے سامنے اس کے سینہ کے اُوپر ذبح کر دیا گیا۔ لیکن وہ کلمۂ توحید سے باز نہ آئی۔ اس عورت کی شیرخوار بیٹی تھی اسے بھی لا کر اس کے سینہ پر ذبح کر دیا گیا۔ لیکن اس نے اپنے دین سے اِنحراف نہیں کیا۔ اور بالآخر اسے خود کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ اس نے قتل ہونا پسند کیا لیکن اِنحراف نہ کیا۔

(داستانہائے کشف الاسرار)

باب المتفرقات

مذاہب کی مشترکہ بنیادیں، قرآنی نظریہ

تحریر: جناب ثاقب اکبر، چیئرمین البصیرہ ٹرسٹ اسلام آباد

تلخیص

قرآن میں "کلمة سواء" کے معنی و مفاہیم کا بغور جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اہم ترین تین عناصر جنھیں "کلمة سواء" یعنی "مشترک بنیادیں" قرار دیا گیا ہے، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار نہ دینا، اللہ کو چھوڑ کر کوئی ایک دوسرے کا رب نہ بنانا ہے۔ تاہم بغور مشاہدہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو مختلف انداز میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کا یہ یقینی مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیا جائے، یہی اس کی خالص عبادت کا راستہ ہے۔ اسی طرح توحید پرستی اور شرک کی نفی کا انسانی معاشرے میں عملی نتیجہ یہ ہے کہ سب قومیں اور سب انسان مساوی ہیں، کیونکہ سب مساوی طور پر اللہ کے بندے ہیں۔ کوئی کسی انسان یا کسی قوم کا بندہ نہیں، یعنی کسی فرد کو اور کسی قوم کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو "رب" کے مقام پر فرض کرے۔ قوموں اور افراد کے "ارباب" ہونے کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ سب قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ اور انسانی برتاؤ کریں۔

اہلِ کتاب کے ساتھ مشترکہ بنیادوں پر مل جل کر رہنے کے بارے میں قرآن حکیم کی دعوت بہت واضح ہے۔ قرآن کہتا ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (سورۃ آلِ عمران ۳: ۶۴) "کہیے: اے اہلِ کتاب! آؤ اس ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے، اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی اختیار نہ کریں اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب قرار دے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ ہم (اس نظریے کو) تسلیم کرنے والے ہیں"۔

اس آیت میں چند امور غور طلب ہیں۔ ان میں سے ایک "اہلِ کتاب" کی اصطلاح ہے۔ جس سرزمین پر قرآن حکیم نازل ہوا اس پر زمانہ نزول میں یہودیوں اور مسیحیوں کو اہل کتاب کہا جاتا تھا۔ کوئی اور گروہ اس زمانے میں جزیرۃ العرب میں "اہل کتاب" کی اصطلاح کا مصداق قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ جب مسلمان جزیرۃ العرب سے باہر نکلے اور انھیں دیگر اقوام کا بھی سامنا کرنا پڑا تو پھر

یہ اصطلاح بعض دیگر اقوام کے لیے بھی درست قرار دی گئی۔ مثلاً اسلامی روایات کے مطابق زرتشت بھی نبی تھے، اور ان سے منسوب کتاب "اوستا" بھی ایک برحق آسمانی کتاب ہے، لہٰذا عام طور پر زرتشتیوں کو بھی "اہلِ کتاب" تسلیم کیا گیا اور اسلام کی دعوتِ اشتراک و اتحاد اور اہل کتاب کے لیے بعض خصوصی مراعات کا انھیں بھی مصداق و حقدار سمجھا گیا۔ جب مُسلمان ہندوستان پہنچے تو یہاں ایک اور بڑی قوم سے ان کا سامنا ہوا۔ یہ ہندو تھے۔ بظاہر تو یہ بت پرست تھے، لیکن جب ہندو مذہب کی بنیادی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور مُسلمان علماء نے گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا تو بہت سے علماء نے اس امکان کا اظہار کیا کہ ہندو مذہب کے بانی بھی الٰہی تعلیمات کے حامل تھے، جیسے انسانی دست برد نے دیگر مذاہب کو متاثر کیا، اسی طرح ہندو مذہب بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس پس منظر میں کئی ایک علماء نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندوؤں کو بھی اہل کتاب میں سے شمار کیا جائے۔ مثال کے طور پر عصر حاضر کے ممتاز سنی ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور شیعہ عالم سید قمر الزمان سبزواری کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بدھ مت کے بانی کے بارے میں بھی بعض مُسلمان علماء نے اچھے جذبات کا اظہار کیا۔ انھیں موحد اور ان کی تعلیمات کو انسان دوستی پر مبنی قرار دیا، اور یہ دونوں باتیں آسمانی ادیان کی بنیادی تعلیمات میں سے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں جس بات کو "کلمۃ سواء" یعنی "مشترک بات" قرار دیا گیا ہے اس کے تین عناصر ہیں:

1. ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔
2. کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار نہ دیں۔
3. اللہ کو چھوڑ کر کوئی ایک دوسرے کا رب نہ بنے۔

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ایک ہی بات کو تین مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کا یہ یقینی مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیا جائے۔ یہی اس کی خالص عبادت کا راستہ ہے۔ اسی طرح توحید پرستی اور شرک کی نفی کا انسانی معاشرے میں عملی نتیجہ یہ ہے کہ سب قومیں اور سب انسان مساوی ہیں، کیونکہ سب مساوی طور پر اللہ کے بندے ہیں۔ کوئی کسی انسان یا کسی قوم کا بندہ نہیں۔ یعنی کسی فرد کو اور کسی قوم کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو "رب" کے مقام پر فرض کرے۔ قوموں اور افراد کے "ارباب" ہونے کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ سب قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ اور انسانی برتاؤ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے اہل مذہب توحید پرستی کے معاشرتی اور انسانی پہلو سے غافل ہوگئے ہیں۔ انسانی معاشرے میں توحید پرستی اور عدم شرک کا معنی یہ ہے کہ سب انسان اللہ کے بندے ہونے کی نسبت سے مساوی ہیں۔ خدا کا بندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا بندہ نہیں۔ علامہ اقبال نے توحید پرستی کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(ضربِ کلیم)

ان کے نزدیک خدا کو سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو سجدہ نہ کیا جائے۔ قوموں اور انسانوں کے مابین پر امن بقائے باہم (Peaceful Co.existance) کے لیے ضروری ہے کہ سب قومیں ایک دوسرے کا احترام کریں اور کوئی دوسری قوم کو غلام بنانے کی کوشش نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے "حرم الٰہی" یعنی خانہ کعبہ کو علامتی طور پر سارے انسانوں کے لیے ایک مرکز کے طور پر ماننے کا مطلب بھی علامہ اقبال کے نزدیک مساواتِ انسانی ہی ہے۔ ایسی مساوات جس میں رنگ و نسب کو تفوق و امتیاز کی بنیاد تسلیم نہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں:

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا
(بانگ درا)

مذکورہ بالا آیت کا اختتام اس سوال کے جواب پر ہوتا ہے کہ اگر کوئی قوم ہماری اس دعوت کو قبول نہ کرے اور اس "مشترکہ بنیاد" پر مل جل کر رہنے کو تیار نہ ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟۔ جواب یہ ہے:

اگر وہ روگردانی کریں، یعنی اس دعوت سے منہ موڑ لیں تو پھر بھی تم ان سے کہہ دو کہ تم اس دعوت اتحاد و اشتراک کو مانو یا نہ مانو ہم اس نظریے کی حقانیت اور درستی کو تسلیم کرتے ہیں اور ہماری یہ دعوت باقی ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اس "کلمۃ سواء" کی بنیاد پر ہمارے ساتھ مل جل کر رہنا چاہے۔

یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ آج بھی دنیا بھر میں ایسے مسلمان علماء موجود ہیں جو قرآن حکیم کے پرامن بقائے باہم کے اس پیغام کو "اہلِ کتاب" تک پہنچانے میں سرگرم ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اعلیٰ شعور اور الٰہی پیغام سے اپنی مستحکم وابستگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو مختلف ممالک کے ۱۳۸ ممتاز علماء کی طرف سے دنیا کے مسیحی اکابرین کو لکھے گئے ایک اہم مکتوب کا ذکر مثال کے طور پر کیا جاسکتا ہے، اس مکتوب کا عنوان ہی "كلمة سواء بيننا و بينكم" (ہمارے اور آپ کے مابین مشترک بات) ہے۔ اس مکتوب کا خلاصہ یہ ہے:

امن اور افہام وتفہیم کی بنیادیں پہلے سے موجود ہیں۔ ایک خدا کی محبت اور ہمسائے سے محبت کا حکم دونوں ادیان کے بنیادی اصولوں کا اہم حصہ ہے۔ یہ اصول اسلام اور مسیحیت کی مقدس کتب میں جا بجا ملتے ہیں۔ پس خدا کی وحدانیت سے محبت کا ضروری ہونا اور ہمسائے سے محبت کا ضروری ہونا اسلام اور مسیحیت کی مشترکہ بنیادیں ہیں۔

اسلام اور مسیحیت اگرچہ واضح طور پر دو مختلف ادیان ہیں، اور دونوں ادیان کے درمیان بعض رسمی اختلافات کو کم نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ واضح ہے کہ مندرجہ بالا دو عظیم ترین احکام قرآن، تورات اور عہدنامہ جدید کے مابین مشترک بنیادیں اور وجہ اتصال ہیں۔

ادیان کے درمیان مشترک بنیاد کی تلاش صرف سنجیدہ مذہبی علماء کے درمیان باہم شائستہ مکالمہ تک ہی

محدود نہیں ہے۔ مسیحیت اور اسلام دنیا اور تاریخ کے دو بڑے ادیان ہیں، جب کہ عیسائی اور مُسلمان انسانی آبادی کا بالترتیب تیسرا اور پانچواں حصہ ہیں۔ مشترکہ طور پر دونوں ادیان کے پیروکار انسانی آبادی کا ۵۵ فیصد سے زیادہ بنتے ہیں۔ ان دونوں مذہبی طبقات کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا سب سے اہم فائدہ دنیا میں بامعنی امن کے قیام میں کردار ادا کرنا ہے۔ اگر مُسلمان اور مسیحی امن سے نہ ہوں گے تو دنیا بھی امن سے نہیں رہ سکتی۔ خوفناک حد تک مسلح جدید دنیا جس میں مُسلمان اور مسیحی اس طرح سے مل جل کر رہ رہے ہیں کہ پہلے کبھی ایسا نہ تھا، کوئی طرف بھی جھگڑے میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی میں سے اکیلے کامیابی حاصل نہیں کر سکتی، لہذا ہمارا مشترکہ مستقبل خطرے میں رہے گا، خود دنیا کی بقا بھی شاید خطرے سے دوچار رہے۔ اس کے باوجود جو جھگڑے اور تباہی سے اپنے مفاد کے لیے لطف اندوز ہوتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ آخر کار وہ ان سے کوئی مفاد اٹھالیں گے، ان سے ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم نے خلوص کے ساتھ امن کے قیام کے لیے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے تمام تر کوششیں نہ کیں تو ہماری لازوال روحیں بھی خطرے میں رہیں گی۔

لہذا آئیے اپنے اختلافات کو اپنے مابین نفرت اور نا چاقی کا سبب نہ بننے دیں۔ آئیے صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ آئیے ایک دوسرے کا اِحترام کریں۔ ایک دوسرے سے مخلص رہیں۔ انصاف کریں اور ہمدرد رہیں۔ نیز مخلصانہ امن، ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے لیے نیک تمنا کے ساتھ رہیں۔

اس مکتوب پر دستخط کرنے والوں میں تیونس، ترکی، امریکہ، کویت، شام، اومان، مصر، یوکرائن، اردن، نائیجیریا، بھارت، مراکش، متحدہ عرب امارات، عراق، آذربائیجان، برطانیہ، ملائیشیا، چاڈ، بوسنیا ہرزگوینا، الجزائر، ایران، روس، برونائی، سوڈان، کروشیا، موریطانیہ، یمن، فلسطین، گیمبیا، فرانس، بیلجیم، کینیڈا، پاکستان، سعودی عرب، سلووینیا، کوسوو، اٹلی، جرمنی اور انڈونیشیا کے بارسوخ علماء اور مُسلم رہنما شامل ہیں۔

مکتوب پر دستخط کرنے والوں میں مختلف ممالک کے متعدد مسیحی دانشور بھی شامل ہیں۔

اس مکتوب کو عالم عیسائیت میں وسیع پذیرائی حاصل ہوئی۔ پاپائے روم اور چرچ آف کنٹربری کے سربراہ سے لے کر تمام قابل ذکر گرجوں کے سربراہوں اور ممتاز مسیحی علماء اور قائدین نے اس اقدام کو خوش آمدید کہا اور سراہا۔ اس سلسلے میں ایک ویب سائٹ بنائی گئی ہے، جس میں مکتوب کا متن، مختلف زبانوں میں اس کے تراجم، پوری دنیا میں اس کی بازگشت اور عالم مسیحیت کے وسیع رد عمل کا ریکارڈ موجود ہے۔ (ویب سائٹ یہ ہے: http://www.acommonword.com) اس مثبت رد عمل کو دیکھ کر ہمیں علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے: ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

(بانگ درا)

(بشکریہ سہ ماہی "نُورِ معرفت" اسلام آباد۔ جلد: ۲، شمارہ: ۱)

باب المتفرقات

امام زین العابدینؑ بارگاہ معبود میں

تحریر: علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

دعا کرنا بظاہر انتہائی آسان ہے اور واقعاً انتہائی مشکل ہے۔ دنیا کا کون سا انسان ہے جو محتاج نہیں ہے اور کون سا محتاج ہے جو کسی سے طلب نہیں کرتا ہے۔ درحقیقت اسی طلب کا نام دعا ہے، یہ اور بات ہے کہ جو ناواقف اسرار طلب ہیں وہ محتاجوں سے مانگتے ہیں اور جنھیں طلب کا سلیقہ میسر آتا ہے، وہ بے نیاز سے مانگتے ہیں۔ محتاجوں سے مانگنے کا نام خوشامد، تملق، تعریف بے جا، تواضع بے محل اور استدعاء و التماس ہے، اور بے نیاز سے مانگنے کا نام دعا ہے۔ بے نیاز نے جو خود کسی کو اپنا نمائندہ بنادیا ہے تو اس سے مانگنا مذکورہ بالا عناوین سے خارج ہے کہ یہ درحقیقت بے نیاز ہی سے طلب کرنا ہے اور مانگنے والا جانتا ہے کہ یہ افراد اس کے مقابلہ میں حاجت روائی کے دعوے دار نہیں ہیں، بلکہ اس کی نمائندگی میں حاجت روائی کا کام انجام دیتے ہیں اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ اگر ایک فرشتہ اس کی طرف سے جان لینے پر مامور ہوسکتا ہے تو ایک بندہ جان دینے پر بھی مامور ہوسکتا ہے۔ اس امکان سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس قسم کے واقعات کی دنیا الگ ہے اور اس پر بحث کرنے کے لیے بڑی تفصیل درکار ہے۔

دعا جس قدر آسان ہے کہ تقاضائے فطرت، عادت بشر اور مزاج انسانی کے عین مطابق ہے، اسی قدر مشکل بھی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سہل ممتنع اگر کوئی چیز ہے تو وہ دعا ہی ہے جو الفاظ کے اعتبار سے انتہائی آسان ہوتی ہے اور اسرار کے اعتبار سے انتہائی مشکل۔

دعا کے لیے جس قدر آداب درکار ہیں، جو پاکیزگی نفس ضروری ہے اور جس طرح کے تصورات لازم ہیں ان کا حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دعا، مرکز دعا کی معرفت پر موقوف ہے اور معرفت زندگی کا عظیم ترین مرحلہ ہے، جسے مولائے کائناتؑ نے ابتداء دین اور بنیاد مذہب قرار دیا تھا۔ معرفت کے بعد بارگاہ کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرنا اس سے سخت ترین مرحلہ ہے اور ان تمام مراحل کے بعد طلب میں صدق نیت پیدا کرنا اور ایک انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہے۔ ورنہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والا بظاہر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے رہتا ہے لیکن نظر کسی حاکم کے اقتدار کسی دولت مند کی جیب، کسی صاحب خیرات کے جود و کرم پر لگی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ

اس دعا کا نام دعا نہیں ہے اور گہرائیوں پر غور کیا جائے تو یہ توہین دعا ہے۔ دعا معبود پر اعتماد کا نام ہے اور دوسروں پر نگاہ رکھنا بد اعتمادی کی علامت ہے۔ بعض روایات میں تو یہ تک مضمون وارد ہوا ہے کہ اگر کسی شخص کو دعا کی قبولیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ صرف حسب عادت یا برائے تجربہ دعا مانگ رہا ہے تو وہ معبود کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ دنیا کے کسی صاحب کرم کے بارے میں بے اعتمادی اس کے کرم کے بارے میں بے اِعتمادی کتنی بڑی توہین کا باعث ہوگی اور تجربہ تو اصلاً حدود اسلام سے باہر ہے۔ بھلا کس بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پروردگار سے مانگ کر اس کے کرم کی آزمائش کرے اور یہ دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ "تماشائے اہلِ کرم" دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام نے یہ تاکید کی ہے کہ اپنی دعاؤں میں ائمۂ معصومینؑ کے الفاظ کا اتباع کرو اور اس کی معنویت پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ تمھارے الفاظ اس کی بارگاہ کے لیے نامناسب ہوسکتے ہیں، لیکن ان کے الفاظ میں یہ نقص نہیں ہے۔ وہ کامل الایمان اور کامل المعرفۃ تھے، وہ جو الفاظ استعمال کردیں گے وہ یقیناً بارگاہ کے شایان شان ہوں گے۔ اور اس سے مدعا کے حصول کی راہ ہموار ہوگی، بلکہ انہی الفاظ سے انسان اپنے اندر سلیقہ معرفت بھی پیدا کرسکتا ہے۔ واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ہماری دعائیں نتیجہ معرفت ہیں اور معصومینؑ کی دعائیں درسِ معرفت، ہم وہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ہماری معرفت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور انھوں نے وہ الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے ہم معرفت باری کی راہیں متعین کرسکتے ہیں، یا من دل علی ذاتہ بذاتہ (اے وہ معبود جس نے خود اپنی ذات کی طرف رہنمائی کی ہے) کہ وہ خود ہی راہ نما بھی ہے اور منزل بھی۔

یہ جملہ معرفت کا ایک سمندر ہے کہ اگر دعا میں یہ فقرہ نہ آگیا ہوتا تو انسان کے سامنے معرفت کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ مخلوقات سے خالق کو پہچانے اور کائنات کی عظمت سے مالک کائنات کی بزرگی و برتری کا اندازہ لگائے۔ لیکن امامؑ کے اس ایک فقرہ نے معرفت کا ایک نیا راستہ کھول دیا ہے اور یہ واضح کردیا ہے کہ مخلوقات میں خالق کو پہچنوانے کی وہ صلاحیت نہیں ہے جو معرفت خود خالق کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ اس کی طرف اشارہ دعائے صباح میں مولائے کائنات نے کیا تھا اور اس کے بعد اس کی مکمل تشریح دعائے ابوحمزہ ثمالی میں امام زین العابدینؑ نے کی ہے۔ سرکار سید الشہداءؑ نے دعائے عرفہ میں اسی حقیقت کی طرف بہت سے اشارے فرمائے ہیں اور معرفت کے بے شمار راستے کھول دیے ہیں۔

دعاؤں کے سلسلہ میں معصومین کے الفاظ و کلمات کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ بھلا کس کی مجال ہے جو ان لفظوں کی بلاغت کا اندازہ کرسکے اور اس کے بعد یہ کہے کہ یہ الفاظ اس معرفت کی مکمل ترجمانی کر رہے ہیں یا معبود کی بارگاہ کے شایان شان ہیں۔ صاحبان بصیرت کے بیان کے مطابق صرف اتنا

کہا جاسکتا ہے کہ اس میدان میں جس قدر راہنمائی امام
زین العابدینؑ نے کی ہے اور دعا کو جس قدر آپ نے
درس و تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے دیگر معصومینؑ کو دوسرے
ذرائع بھی فراہم ہوگئے تھے اور انھوں نے ان ذرائع کو
بھی درس بصیرت اور تبلیغ دین ومذہب کا ذریعہ بنالیا تھا،
یا بعض اوقات انھیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ دعاؤں کے
ذریعہ اس کارنامہ کو انجام دے سکتے۔

امام زین العابدینؑ کا زمانہ واقعہ کربلا کے بعد ایک
انتہائی حساس اور دشوار گزار دور تھا۔ اس دور میں سب
سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کسی طرح کا مسلح اقدام ممکن نہیں تھا،
اور ایک عظیم اقدام کا اثر نظر کے سامنے تھا۔ یعنی مذہب
نے اپنی زندگی کے لیے خون کا مطالبہ کیا تھا اور وہ مطالبہ
پورا کیا جاچکا تھا۔ انقلابی تحریک کے لیے وہ مقدس خون
ہی کافی تھا، اس کے لیے مزید قربانی کی ضرورت نہیں تھی۔
لیکن امام کے لیے خاموش بیٹھنا بھی ممکن نہیں تھا کہ امام
ہدایت خلق کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لیے آپ نے تصویر
کے دوسرے رخ پر نظر ڈالی کہ یہ صحیح ہے کہ میرا قیام غیر
ضروری ہے اور اسلام کو فی الحال میرے خون کی ضرورت
نہیں ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت مظلومیت کے
نام پر قوم گوش بر آواز ہے اور الفاظ کی اتنی سخت گرفت
ممکن ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ انھی الفاظ کے ذریعہ
مذہب کی تبلیغ بھی کی جائے اور مظلومیت کی ترویج کا کام
بھی انجام دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہ شکل خطبہ ممکن
نہیں تھا کہ خطبہ میں مسلح اقدام کے اعتراض کے امکانات
پائے جاتے تھے اور ایک خونی سانحہ ممکن تھا جس کی اس
وقت مشیت پروردگار کو ضرورت نہیں تھی اس لیے
آپ نے دعاؤں کا راستہ اختیار کیا اور انھی دعاؤں کے
ذریعہ تمام مراحل تبلیغ وترویج مکمل کرلیے۔

آپ کے الفاظ اس قدر جامع، مؤثر اور مطابق
مقصد ومدعا تھے کہ صاحبان حاجت آپ کی دعاؤں پر مکمل
اعتماد کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے ایک شاگرد
نے آپ کی ایک دعا کے بارے میں یہاں تک کہہ
دیا کہ اس دعا کے ذریعہ مدعا حاصل نہ ہو تو دعا کرنے
والے کو مجھ پر لعنت کرنے کا حق ہے۔ یعنی یہ دعا بارہا کی
آزمائی ہوئی ہے اور جب بھی اس کے سہارے مدعا
طلب کیا گیا ہے ضرور حاصل ہوا ہے۔ اب انسان کا
فرض ہے کہ ان پاکیزہ الفاظ کے لیے پاکیزہ زبان اور پاکیزہ
قلب فراہم کرے، تاکہ اس کے اثرات و نتائج سے
بہرہ یاب ہو اور حقیقت یہ ہے کہ امامؑ کی اس دعا کا لہجہ،
اسلوب اور انداز اس قسم کا ہے کہ دعا کرنے والے کو
یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا مدعا ضرور حاصل ہوگا۔

"خدایا"! میں تجھے کیسے پکاروں کہ میری حیثیت
معلوم ہے۔ (میں، میں ہوں) اور تجھ سے کس طرح امیدیں
منقطع کروں کہ تیرا کرم بھی معلوم ہے کہ (تو تو ہے)
خدایا! میں تجھ سے سوال بھی کرتا ہوں تو عطا کرتا ہے، بھلا
ایسا کون ہے جس سے سوال کروں تب ہی عطا کرے۔
خدایا! تجھے نہیں بھی پکارتا ہوں تو تو دعائیں قبول کرلیتا
ہے۔ اب تیر علاوہ کون ہے جو مانگنے ہی پر دیدے۔
خدایا! تجھ سے تضرع و زاری نہیں بھی کرتا ہوں تو تو رحم
کرتا ہے۔ اب تیرے علاوہ کون ہے جو کم از کم تضرع

(باقی صفحہ ۴ پر)

باب المتفرقات

دینی مدارس میں اخلاقی تربیت کی ضرورت اور اہمیت

دنیا میں سب سے بڑا اخلاقی مکتب فکر اسلام ہے، جس کی تعلیمات کا بڑا حصہ اخلاقیات پر مشتمل ہے، یہی وجہ ہے کہ بانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبعوث ہونے کا سب سے بڑا مقصد اخلاق انسان کی تکمیل کو قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

"میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں"۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جس طرح دنیا کے تمام ادیان و مکاتب فکر میں اسلام، انسانی اخلاقیات کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے سب سے بڑا مکتب فکر ہے اسی طرح اس کے پیروکاروں کو بھی اخلاقی قدروں کے حوالے سے اخلاق انسانی کا سب سے بڑا مبلغ ہونا چاہیے۔ چونکہ اس مکتب فکر کے بانی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تمام جانشینوں نے اپنے اخلاق اور کردار کا لوہا دشمنوں سے بھی منوایا ہے اور قول و فعل کے ذریعے اپنے پیروکاروں کے تمام اخلاقی پہلوؤں کی تکمیل کرنے کی سعی کی ہے، اس لحاظ سے تمام مسلمانوں خصوصاً مکتب اسلام کے مبلغ اور داعی علمائے دین کو اخلاق کے حوالے سے تمام لوگوں کے مقابلے میں نمایاں مقام پر ہونا چاہیے۔ دینی تعلیمات اور قرآنی آیات کا ایک بڑا حصہ اخلاقیات کی تعلیم پر مشتمل ہے، زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ معاش ہو یا سیاست، خاندانی زندگی ہو یا اجتماعی، سبھی میں اخلاقی قدروں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے دینی علماء اور دینی مدارس کو اخلاقیات کی تبلیغ و تربیت کے حوالے سے **خصوصی** اہتمام کرنا چاہیے اور کسی بھی قیمت پر اخلاقی قدروں اور اصولوں کے سلسلے میں غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

علمائے دین کی اخلاقی تربیت کا آغاز مدرسے سے ہی ہوتا ہے اور یہ مدرسہ اور مہد علم ہی ہے جو کسی عالم دین کی اخلاقی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے اور یہی مدرسہ ہے کہ جہاں سے انسان کی اخلاقی بنیادیں خراب ہونا شروع ہوتی ہیں، اس وقت ہمارے مسلمان معاشروں میں جہاں عام مسلمان اخلاقی حوالے سے زوال پذیر ہوا ہے، وہاں معاشرے کے بعض دینی علمبرداروں نے بھی اخلاقی قدروں کو پامال کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حتی کہ ہمارے معاشرے میں مبالغے کی حد تک علماء کی اخلاقی پستی کی مثالیں دی جانے لگی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدانخواستہ ہمارے سب علمائے دین اخلاقی پستی کا شکار ہو چکے ہیں، بلکہ دینی مدارس کے اخلاقی نظام تربیت کی کمزوری کی وجہ سے معاشرے میں سرگرم عمل علماء کی ایک قلیل تعداد ایسی بھی نظر آتی ہے جو اخلاقی قدروں کی پرواہ نہیں کرتی، ورنہ ہمارے علمائے دین میں ایسی ایسی

جید ہستیاں موجود ہیں کہ جن کے اخلاق و کردار نے ہمیشہ اسلامی اخلاق کا نمونہ پیش کیا ہے اور اپنے اخلاقی رویوں کے ذریعے اسلام کی بنیادوں کو محفوظ کیا ہے۔ یہی باتقویٰ اور با اخلاق علمائے دین ہیں کہ جن کی وجہ سے دین کی جڑیں مُسلمان معاشروں میں مضبوط ہیں اور تمام تر اخلاقی انحطاط کے باوجود دین و دیانت کے جھنڈے اب بھی سربلند نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک اقلیت نے پورے نظام کو مشکوک بنا دیا ہے۔ ویسے بھی مُسلمان معاشروں میں اگر کسی دوسری صنف کا کوئی فرد بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کی بد اخلاقی کو پوری صنف کے ساتھ منسوب نہیں کیا جاتا لیکن اگر علمائے دین کی صنف سے کوئی ایک فرد منفی اخلاق نظر آئے تو اس ایک کا فعل و کردار تمام علمائے دین کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔

بقول حضرت امام خمینی: "اگر کوئی سبزی فروش برا اور بد دیانت ہو تو لوگ کہتے ہیں فلاں سبزی فروش سے سبزی نہ خریدنا، وہ بد دیانت ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اگر کوئی عالم دین فاسد ہو جائے تو لوگ اس ایک عالم کو مُتہم نہیں کرتے بلکہ پوری صنف علماء کو برا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عوام کا علمائے دین سے حد سے زیادہ توقع رکھنا ہے کہ وہ کسی ایک عالم کی بد اخلاقی کو پورے مکتب علماء کی بد اخلاقی قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے علمائے دین کو اخلاقی قدروں کے لحاظ سے بہت ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور اس احتیاط کی تربیت کا آغاز دینی مدارس سے ہونا چاہیے"۔

چونکہ اسلام نے "تہذیب اخلاق" میں ایک خاص مکتب کی بنیاد رکھ ہے لہٰذا علمائے اسلام نے اس مکتب میں بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور اس موضوع میں ان کی زحمات قابل قدر ہیں۔ قدیم زمانے میں مدارسِ دینیہ میں اخلاق تعلیم و تربیت کو خصوصی اہمیت دی جاتی تھی اور اخلاق بطور نصاب کے دینی مدارس میں پڑھایا جاتا تھا، حوزہ ہائے عِلمیہ میں ہفتہ وار اخلاقی دروس ہوتے تھے اور حوزہ عِلمیہ کے برجستہ علمائے اخلاق اور صاحب عرفان شخصیات درس اخلاق دیتی تھیں، جن میں عام طالب علم سے لے کر بڑے بڑے اساتذہ شرکت کرتے تھے اور تہذیب نفس کے بہت سے مراحل انہی دروس اخلاق کے دوران طے کیے جاتے تھے۔ حوازہ عِلمیہ نجف اور قم میں معروف عرفانی شخصیات کے درس اخلاق مشہور تھے جن میں سے آیت اللہ شاہ آبادی، آیت اللہ جواد ملکی تبریزی، حضرت امام خمینی اور دوسری بہت سی شخصیات کے نام اسی حوالے سے مشہور ہیں۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بہت سی دوسری علمی قدریں زوال پذیر ہوئی ہیں وہاں اخلاقی قدروں کا بھی زوال ہوا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے دینی مدارس میں نظام اخلاق ختم ہو کر رہ گیا ہے جس کا نقصان نہ صرف دینی مدارس کو ہوا ہے بلکہ پورے مُسلمان معاشرے سے اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں مُسلمانوں کی اغیار کے ہاتھوں غلامی اور سیاسی دست نگری میں مزید شدت آئی ہے۔

جس ملک اور معاشرے کے سیاست دان اخلاق باختہ ہوں، علمائے دین اخلاقی قدروں سے بے پردا ہوں،

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

﴿باب المتفرقات﴾

ملّت گریہ کن سے دو باتیں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل سلطان المدارس سرگودھا

خداوند عالم حسین مظلوم علیہ السلام کے تمام نام لیواؤں کو یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اپنی سیرت کو حسینی سیرت و کردار کے آئینے میں تشکیل دینے کی کوشش کریں۔ امام حسین علیہ السلام یقیناً نہ صرف عالم اسلام بلکہ پورے عالم انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ لیکن اس معنی میں کہ انھوں نے نجاح و فلاح دارین کا راستہ واضح و آشکار کر دیا ہے۔ اور کربلا کے جہاد کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے دین و شریعت کو بقائے دوام بخش کر ہمیں نجات کے قابل بنا دیا ہے۔ لیکن اس اعتبار سے ان کو نجات دہندہ قرار دینا بالکل غلط ہے کہ امت کے گناہوں کا کفارہ بن کر خود شہید ہو گئے ہیں اور اپنے نام لیواؤں کو واجبات کی ادائیگی یا محرمات سے اجتناب کی قید سے بالکل آزاد کر دیا ہے۔ آنجناب نے شہید ہو کر (معاذاللہ) ہمارے عملی قویٰ کو معطل نہیں کیا۔ بلکہ اپنے تابناک اور عدیم النظیر عملی کارناموں سے ہمیں عمل کرنے کا درس دیا ہے۔

کیا حسین علیہ السلام کی شہادت سے یہ غرض تھی کہ کچھ رونے والے پیدا ہو جائیں۔ کیا حسینؑ نے انسانی طاقت برداشت سے بالاتر مصیبتیں صرف اس لیے اٹھائی تھیں کہ ان کے نام پر سبیلیں لگائی جائیں۔ شیرنی تقسیم ہو، علم اور تابوت اٹھیں۔ تعزیے بنائے جائیں، تاشے نقارے بجیں یا سینہ کوبی ہوا کرے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ حسینؑ نے اسلام کی حمایت میں جان دی۔ احیائے ملت کے واسطے اپنے دوستوں، عزیزوں اور بیٹوں کی قربانی منظور فرمائی۔ اصول کے تحفظ کو آپ۔ نے خون سے خریدا اور ہم کو تعلیم دی کہ اصولوں کی تائید و پیروی آخر دم تک کرنی چاہیے۔ خواہ کچھ ہی افتاد پڑے۔ یہ جو کچھ ہوا ہمارے مذہبی، روحانی اور اخلاقی معاشرتی، تمدنی اصلاح و حمایت اور ہماری تعلیم و ہدایت کے لیے نہ صرف عورتوں کی طرح رونے پیٹنے اور چھاتی کوٹنے کے لیے۔

مگر کس قدر افسوس ہے کہ ہماری دنیا ایک مرکز اخلاق اور پیشوائے ملت کی بنائی نہیں معلوم ہوتی۔ جہاں اس قدر جہالت اور اس قدر نخوت، اس قدر خود غرضی، اس قدر ایذا رسانی، اس قدر غصب حقوق، اس قدر ظلم، اس قدر کذب و افترا، اس قدر برائیاں، بداخلاقیاں اور احکام شریعت سے اس قدر لاپروائی موجود ہے۔ حسینؑ کے اس قدر ایثار اور قربانی کا ماحصل صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایک جگہ جمع ہو کر حقہ پییں۔ کچھ شیرنی بانٹ دیں، اشعار رزم و بزم کا لطف اٹھائیں۔ کچھ ذاکرین کے مخصوص انداز

دیکھ لیں۔ ذاکر فاتحانہ انداز سے دائیں بائیں دیکھیں۔ اور لوگ اپنے ایثار پر ناز کریں کہ ہم نے کچھ وقت اس مشغلہ میں صرف کر دیا۔ ایسا خیال حسین علیہ السلام پر اس سے بھی بڑھ کر ظلم ہے جو کربلا میں واقع ہوا۔ حسینؑ کی شہادت احقاق حق اور ابطال باطل کے واسطے ہے۔ حسین علیہ السلام نے ملت اسلام کے جہاز کی اس وقت ناخدائی کی جب وہ فسق و ارتداد کے طوفانی جھونکوں سے ڈگمگا رہا تھا۔ حسینؑ نے اسلام کا عملی مثالیہ بن کر ہم کو ایثار اور علوئے نفس، استقلال، تسلیم و رضا، صبر، حمایت حق، صیانت شریعت، خلق و کرم، ہمدردی، رحم اور ادائے فرض کی تعلیم دی۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو مذکورہ بالا صفات و احکام پر عمل کرتے ہوں۔ صرف فرائض ہی کو لیجیے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جمعہ جماعت تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز با جماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا۔ عتبات عالیہ کی زیارات کو اگر سو جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالی شان ہیں۔ ہزاروں روپیہ کا شیشہ، آلات وغیرہ موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اول تو مسجد میں نماز کی پابندی ہی نہیں، اگر ہے بھی تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا، کسی وقت دو آ گئے، کسی وقت چار۔ مجالس کی ترتیب، روشنی اور تکلفات کی افراط، ذاکرین کی خدمت اور شیرینی کی تقسیم پر دل و جان سے روپیہ صرف کرنے کو تیار ہیں مگر زکوٰۃ و صدقات سے سروکار ہی نہیں۔ ایسی حالت میں ان کا ادعائے پیروی حسینؑ اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو۔

کوئی شخص صرف آنسوؤں کے چند قطروں یا منہ بسور دینے سے وہ بڑا انعام نہیں حاصل کر سکتا جسے جنت کہتے ہیں۔ نہ بہشت اور دائمی نجات کے پٹہ ایسے ارزاں پڑے بکتے ہیں جو اس طرح رائیگاں اور مفت ہاتھ آ جائیں۔ ہمارا مسئلہ شفاعت مسیحوں کی طرح عجیب و غریب نہیں ہے کہ گناہوں کی گٹھڑی خدا کے بیٹے کے حوالے کر دینا کافی ہے۔ اور پھر خلیع العذار ہو کر جو چاہیں کریں۔ کوئی باز پرس کرنے والا ہی نہیں۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

ہم پر طاعات اسی طرح فرض ہیں جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم۔ اگر ہم ان سے جاہل و غافل اور لا پروا ہیں تو ہمارا دعویٰ محبت حسینؑ محض دروغ اور سراسر کذب ہے۔ حسینؑ کے مصائب تو انھیں طاعات کے قائم کرنے کے لیے تھے۔ اگر طاعات و فرائض کی بجا آوری میں تساہل و لاپرواہی خدا اور اس کے رسولؐ سے عدول حکمی اور سرکشی کی جائے تو یہ رونا کیا فائدہ رساں ہو سکتا ہے اور جب حسینؑ اور ان کے نانا کا تتبع نہیں کرتے اور حسینؑ اور ان کے اوامر کی ہمارے دلوں میں کچھ وقعت نہیں تو ہم مسلمان، مومن اور محب حسینؑ کہلائے جانے کے کیونکر مستحق ہو سکتے ہیں۔ صرف حالات و مصائب سن کر رو دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ یہ تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی انسان کی مصیبت سن کر متاثر ہو جائے۔ اس لیے ایک غیر مسلم بھی ہماری طرح

باب المتفرقات

بامقصد عزاداری

تحریر: آقائے عبدالحسین ناطق

اس میں شک نہیں ہے کہ شیعیان پاکستان عزاداری کو عبادت جانتے ہیں نہ صرف مخیر حضرات بلکہ محتاج اور فقیر بھی مجلس عزا منعقد کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ یہ قوم کتنے روپے سالانہ اہل بیتؑ کے نام پر خرچ کرتی ہے، اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

ظاہر ہے جس کام پر اتنا بڑا قومی سرمایہ خرچ ہو رہا ہو، کیا ہر صاحب عقل و شعور کا فرض نہیں بنتا کہ وہ سوچے کہ کیا، یہ سرمایہ عزاداری کے تقاضے پورے کر رہا ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم فلسفہ عزاداری کے متعلق ایک مختصر تجزیہ پیش کریں تاکہ اس کی روشنی میں یہ بات نمایاں ہو جائے کہ شیعہ قوم عزاداری کے تحفظ کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئی۔ فلسفہ عزاداری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دو چیزیں مقدمہ کے طور پر پیش کریں۔

❶ اسلام اور کربلا کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ اگر ہم اسلام اور کربلا کا آپس میں رابطہ اور تعلق دیکھنا چاہیں تو یہی نظر آتا ہے کہ جو تعلق نظریہ اور عمل کا ہے وہی تعلق اسلام اور کربلا کا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ صبح اٹھ کر سوچتے ہیں کہ ناشتہ کرنے کے بعد دفتر جاؤں گا، تھوڑی دیر بعد گاڑی پر بیٹھ کر دفتر روانہ ہوتے ہیں، یہاں پر سوچ اور عمل کے تعلق کو دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، البتہ اسلام نظریہ ہے سوچ ہے اور کربلا اس نظریے کی عملی تصویر ہے۔ اگر اسلام نے "قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا" کہا تو یہ نظریہ توحید ہے اور مظلوم کربلا کا زیر خنجر "رضا بقضائك وتسليما لامرك لا معبود سواك" کہنا توحید کی عملی تصویر ہے۔

"اقیموا الصلوة" خدا نے کہا برستے تیروں میں نماز جماعت ادا کرنا عمل ہے۔ "لا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" اسلام ہے اور شوق شہادت میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کر کے شہید ہونا اس کی عملی تصویر ہے، غرض کربلا میں ہر شہید اور اسیر کا کردار اسلام کی عملی تصویر ہے۔

دوسرا نکتہ جس پر توجہ دینا ضروری ہے، وہ کربلا میں ظالموں کا کردار ہے۔

پہلے امر میں ہم نے جو کچھ کہا اس کا تعلق مظلوم کربلا اور ان کے اصحاب سے متعلق تھا لیکن تاریخ کربلا کے دو صفحے ہیں، دوسرا صفحہ جس کو تحریر کرنے والا یزید لعین، ابن زیاد لعین، شمر لعین اور خولی تھے، یہ کربلا کا سیاہ صفحہ ہے۔

جس میں ظلم خنجر، طمانچے، تیر، آگ اور لوٹ مار نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے اس صفحے کا مطالعہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم روئیں، پیٹیں، سینہ زنی کریں، احتجاج کریں، جلوس نکالیں اور ظلم کے خلاف فریاد بلند کریں، جیسا کہ شیعہ قوم کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا دو نکات کے بعد سوال کا جواب سامنے

اگر آپ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم کربلا کو اس طرح پیش کریں کہ معاشرے میں عملی طور پر اسلام زندہ ہو اور واقعہ کربلا کے دونوں رخ پیش کیے جائیں۔

آتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ کربلا کے متعلق شیعہ قوم نے اپنی ذمہ داری کس حد تک نبھائی اور کہاں تک کامیاب ہوئی؟۔ اگر آپ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم کربلا کو اس طرح پیش کریں کہ معاشرے میں عملی طور پر اسلام زندہ ہو اور واقعہ کربلا کے دونوں رخ پیش کیے جائیں۔ لیکن تاریخ کربلا کا دوسرا صفحہ جو نورانی عملی صفحہ ہے اس کی طرف قوم کی توجہ کم ہے۔ گویا کہ ہماری قوم نے اس صفحے کا بالکل مطالعہ ہی نہیں کیا۔ اس حقیقت کو مرحوم علامہ علی نقی نقن اعلی مقامہ نے کیا خوبصورتی کے ساتھ ایک مختصر جملے میں سمیٹ کر بیان کیا ہے۔ مرحوم نے فرمایا کہ: ہماری قوم نے شمر کا خنجر تو یاد رکھا مگر حسینؑ کا سجدہ بھول گئی۔ حالانکہ خنجر شمر کا تھا اور سجدہ حسینؑ کا یاد رکھنے والی چیز وہ تھی جس کو ہمارے مولا نے کیا۔ موجودہ عزاداری میں صرف کردار حسینؑ نظر انداز ہوا ہے، بلکہ اس رخ کو انتہائی الٹ پیش کیا گیا ہے۔ ہماری مجالس عزا میں اسلام پر عمل کرنے پر زور دینے کی بجائے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ برسرِ منبر نماز اور روزہ کی اہمیت کم کردی جاتی ہے اور سامعین اسلام کی تحقیر پر خطیب کو دادِ سخن دیتے ہیں۔ بولنے والا تو متوجہ ہوتا ہے لیکن سننے والے سوچتے ہی نہیں، یہ تو کربلا والوں کے عمل کے مخالف ہے۔ جب ہم زیارت وارث پڑھتے ہیں، امام حسینؑ پر سلام بھیجتے ہیں، یہ جملہ بھی دہراتے ہیں: "اشھد انك قد اقمت الصلواة اٰتیت الزکوٰة" مولا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز کو عملی طور پر قائم کیا ہے۔ اور زکوٰۃ ادا کی ہے۔ کیا ہر صاحب بصیرت اور عقل رکھنے والے کا قرینہ نہیں بنتا ہے کہ وہ سوچے کہ اہل بیتؑ کے نام پر کروڑوں خرچ کر کے اسلام کو عملی طور پر مٹانے کا نام۔ کیا اسلام کی خدمت ہے؟ یا نعوذ باللہ اہل بیتؑ اس عمل سے خوش ہوں گے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ہمارے ائمہؑ آج کے سیاسی لیڈر نہیں ہیں کہ نعرہ بازی سے خوش ہو کر بے معرفت عقل کے اندھے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کریں، وہ تو دین بتانے اور دین بچانے کے لیے آئے تھے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین مٹانے والوں سے راضی ہو جائیں؟۔ کسی عمل کا نیک اور مذہبی ہونا کسی انسان کو دیندار نہیں بناتا، بلکہ اس پر عمل کرنا دینداری کہلاتا ہے۔ ہمارے لوگ یہ سوچنے پر تیار ہی نہیں

ہیں کہ اہل بیتؑ کے نام پر بھی جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔

اس لیے اگر کسی غیر ذمہ دار خطیب نے کوئی غلطی اور جھوٹی روایت پڑھ دی اور کوئی اہل تحقیق اس پر اعتراض کرے تو قوم جھوٹے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، محض اس لیے کہ اس جھوٹ کی نسبت پاک چیز کی جانب دینے سے غلط صحیح تو نہیں ہوسکتا۔ کیا شیعہ قوم تاریخ اسلام کا وہ بدترین واقعہ بھول گئی ہے جس میں معاویہ نے قرآن سے جنگ لڑنے کے لیے قرآن کا سہارا لیا تھا اور مولائے کائنات نے فرمایا تھا کہ اپنی غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے، اس لیے اس سے لڑو۔ اگر یہ حقیقت ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی دین سے بے خبر فرد اہل بیتؑ کا نام لے کر اہل بیتؑ کے مقصد یعنی اسلام کو مٹانے لگے اور اس کے ساتھ اس کا یہ عمل قابل تعریف بھی ہو، اور نعوذ باللہ اہل بیتؑ اطہار ایسوں کی شفاعت کے منتظر بیٹھے ہوں۔

غرض ہم نے کربلا کے روشن پہلو کو اس طرح نظر انداز کیا کہ گویا یہ کربلا کا حصہ ہی نہیں ہے۔ صرف ایک صفحہ پر عمل پیرا رہے جو ظالموں کا تحریر کردہ صفحہ تھا۔

جوش ملیح آبادی نے قوم کو پیغام دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

مان ہی سکتی نہیں اس بات کو عقل سلیم
صرف ماتم ہو مآلِ مقصد ذبح عظیم

خون باطل ہے تب و تاب جسام کربلا
آنسوؤں سے ہے اونچا بہت مقام کربلا

البتہ اس پہلو میں بھی غیر ذمہ دار خطیبوں نے رلا کر نمبر لینے کے شوق میں ایسی جھوٹی باتیں بنائی ہیں جن کی توجیہ عقل سلیم نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی معتبر تاریخ سے ان کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔

البتہ ان تمام نقائص اور کمزوریوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ عزاداری جس حالت میں ہے، ویسے قائم رکھنے میں عوامی جذبات کا ہی اثر ہے، اگر عوامی جذبات نہ ہوتے تو کسی فلسفی کی فلسفیانہ گفتگو کسی محقق کا

> غیر ذمہ دار خطیبوں نے رلا کر نمبر لینے کے شوق میں ایسی جھوٹی باتیں بنائی ہیں جن کی توجیہ عقل سلیم نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی معتبر تاریخ سے ان کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔

تحقیقانہ کلام کسی ماہر خطابت کی مہارت اور سرمایہ داروں کا سرمایہ، ان تمام میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ کربلا کے ذکر کو تر و تازہ اور گرم رکھ سکیں۔ اس لیے موجودہ رسم و رواج کے ساتھ جو عزاداری ہو رہی ہے یہ بھی غنیمت ہے، لیکن اسے بہتر انداز اور مزید بامقصد بنانا ہم سب کا فریضہ ہے، ایسا طریقہ و انداز جس سے شہدائے کربلا کے مقاصد کی تکمیل ہو اور ارواح شہداء کربلا عزاداروں سے خوش ہوں اور ایسی ہی بامقصد عزاداری ائمۂ طاہرینؑ چاہتے تھے، اس لیے اس کے برپا کرنے اور اسے قائم و دائم رکھنے کا حکم دیا، چونکہ اس عزاداری سے مقصد حسینی زندہ و تابندہ ہوتا ہے اور مقصد حسینی کی بقاء اور نشر اسلام کا دوسرا نام ہے۔

جس میں ظلم خنجر، طمانچے، تیر، آگ اور لوٹ مار نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے اس صفحے کا مطالعہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم روئیں، پیٹیں، سینہ زنی کریں، احتجاج کریں، جلوس نکالیں اور ظلم کے خلاف فریاد بلند کریں، جیسا کہ شیعہ قوم کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا دو نکات کے بعد سوال کا جواب سامنے

اگر آپ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم کربلا کو اس طرح پیش کریں کہ معاشرے میں عملی طور پر اسلام زندہ ہو اور واقعہ کربلا کے دونوں رخ پیش کیے جائیں۔

آتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ کربلا کے متعلق شیعہ قوم نے اپنی ذمہ داری کس حد تک نبھائی اور کہاں تک کامیاب ہوئی؟۔ اگر آپ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم کربلا کو اس طرح پیش کریں کہ معاشرے میں عملی طور پر اسلام زندہ ہو اور واقعہ کربلا کے دونوں رخ پیش کیے جائیں۔ لیکن تاریخ کربلا کا دوسرا صفحہ جو نورانی عملی صفحہ ہے اس کی طرف قوم کی توجہ کم ہے۔ گویا کہ ہماری قوم نے اس صفحے کا بالکل مطالعہ ہی نہیں کیا۔ اس حقیقت کو مرحوم علامہ علی نقی نقن اعلیٰ مقامہ نے کیا خوبصورتی کے ساتھ ایک مختصر جملے میں سمیٹ کر بیان کیا ہے۔ مرحوم نے فرمایا کہ: ہماری قوم نے شمر کا خنجر تو یاد رکھا مگر حسینؑ کا سجدہ بھول گئی۔ حالانکہ خنجر شمر کا تھا اور سجدہ حسینؑ کا یاد رکھنے والی چیز وہ تھی جس کو ہمارے مولا نے کیا۔ موجودہ عزاداری میں صرف کردار حسینؑ نظر انداز ہوا ہے، بلکہ اس رخ کو انتہائی الٹ پیش کیا گیا ہے۔ ہماری مجالس عزا میں اسلام پر عمل کرنے پر زور دینے کی بجائے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ بر سر منبر نماز اور روزہ کی اہمیت کم کردی جاتی ہے اور سامعین اسلام کی تحقیر پر خطیب کو دادِ سخن دیتے ہیں۔ بولنے والا تو متوجہ ہوتا ہے لیکن سننے والے سوچتے ہی نہیں، یہ تو کربلا والوں کے عمل کے مخالف ہے۔ جب ہم زیارت وارث پڑھتے ہیں، امام حسینؑ پر سلام بھیجتے ہیں، یہ جملہ بھی دہراتے ہیں: "اشهد انك قد اقمت الصلواة أتيت الزكوٰة" مولا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز کو عملی طور پر قائم کیا ہے۔ اور زکوٰۃ ادا کی ہے۔ کیا ہر صاحب بصیرت اور عقل رکھنے والے کا فریضہ نہیں بنتا ہے کہ وہ سوچے کہ اہل بیتؑ کے نام پر کروڑوں خرچ کرکے اسلام کو عملی طور پر مٹانے کا نام۔ کیا اسلام کی خدمت ہے؟ یا نعوذ باللہ اہل بیتؑ اس عمل سے خوش ہوں گے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ہمارے ائمہؑ آج کے سیاسی لیڈر نہیں ہیں کہ نعرہ بازی سے خوش ہو کر بے معرفت عقل کے اندھے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کریں، وہ تو دین بنانے اور دین بچانے کے لیے آئے تھے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین مٹانے والوں سے راضی ہو جائیں؟۔ کسی عمل کا نیک اور مذہبی ہونا کسی انسان کو دیندار نہیں بناتا، بلکہ اس پر عمل کرنا دینداری کہلاتا ہے۔ ہمارے لوگ یہ سوچنے پر تیار ہی نہیں

ہیں کہ اہل بیتؑ کے نام پر بھی جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔

اس لیے اگر کسی غیر ذمہ دار خطیب نے کوئی غلطی اور جھوٹی روایت پڑھ دی اور کوئی اہل تحقیق اس پر اعتراض کرے تو قوم جھوٹے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، محض اس لیے کہ اس جھوٹ کی نسبت پاک چیز کی جانب دینے سے غلط صحیح تو نہیں ہوسکتا۔ کیا شیعہ قوم تاریخ اسلام کا وہ بدترین واقعہ بھول گئی ہے جس میں معاویہ نے قرآن سے جنگ لڑنے کے لیے قرآن کا سہارا لیا تھا اور مولائے کائنات نے فرمایا تھا کہ اپنی غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے، اس لیے اس سے لڑو۔ اگر یہ حقیقت ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی دین سے بے خبر فرد اہل بیتؑ کا نام لے کر اہل بیتؑ کے مقصد یعنی اسلام کو مٹانے لگے اور اس کے ساتھ اس کا یہ عمل قابل تعریف بھی ہو، اور نعوذ باللہ اہل بیتؑ اطہار ایسوں کی شفاعت کے منتظر بیٹھے ہوں۔

غرض ہم نے کربلا کے روشن پہلو کو اس طرح نظر انداز کیا کہ گویا یہ کربلا کا حصہ ہی نہیں ہے۔ صرف ایک صفحہ پر عمل پیرا رہے جو ظالموں کا تحریر کردہ صفحہ تھا۔

جوش ملیح آبادی نے قوم کو پیغام دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

مان ہی سکتی نہیں اس بات کو عقلِ سلیم
صرف ماتم ہو تاکِ مقصد ذبحِ عظیم

خون باطل ہے تب و تاب جسام کربلا
آنسوؤں سے ہے اونچا بہت مقام کربلا

البتہ اس پہلو میں بھی غیر ذمہ دار خطیبوں نے رلا کر نمبر لینے کے شوق میں ایسی جھوٹی باتیں بنائی ہیں جن کی توجیہ عقل سلیم نہیں کرسکتی ہے اور نہ ہی معتبر تاریخ سے ان کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔

البتہ ان تمام نقائص اور کمزوریوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ عزاداری جس حالت میں ہے، ویسے قائم رکھنے میں عوامی جذبات کا ہی اثر ہے، اگر عوامی جذبات نہ ہوتے تو کسی فلسفی کی فلسفیانہ گفتگو کسی محقق کا

غیر ذمہ دار خطیبوں نے رلا کر نمبر لینے کے شوق میں ایسی جھوٹی باتیں بنائی ہیں جن کی توجیہ عقل سلیم نہیں کرسکتی ہے اور نہ ہی معتبر تاریخ سے ان کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔

تحقیقانہ کلام کسی ماہر خطابت کی مہارت اور سرمایہ داروں کا سرمایہ، ان تمام میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ کربلا کے ذکر کو تر و تازہ اور گرم رکھ سکیں۔ اس لیے موجودہ رسم و رواج کے ساتھ جو عزاداری ہو رہی ہے یہ بھی غنیمت ہے، لیکن اسے بہتر انداز اور مزید بامقصد بنانا ہم سب کا فریضہ ہے، ایسا طریقہ و انداز جس سے شہدائے کربلا کے مقاصد کی تکمیل ہو اور ارواح شہداء کربلا عزاداروں سے خوش ہوں اور ایسی ہی بامقصد عزاداری ائمۂ طاہرینؑ چاہتے تھے، اس لیے اس کے برپا کرنے اور اسے قائم و دائم رکھنے کا حکم دیا، چونکہ اس عزاداری سے مقصد حسینی زندہ و تابندہ ہوتا ہے اور مقصد حسینی کی بقاء اور نشر اسلام کا دوسرا نام ہے۔

سلام بر حسینؑ

نتیجۂ فکر: سید ناصر عباس ناصر

یوں حسینؑ بن علیؑ تھے اپنے انصاروں کے بیچ
جس طرح کہ آسماں پر چاند ہو تاروں کے بیچ

حشر میں ہوتا ہمارا کون پرساں یا نبیؐ
آپؐ کی ہوتی نہ رحمت گر گناہ گاروں کے بیچ

بندہ آزاد ہوں کہتا تھا حر سن لے یزید
رہ نہیں سکتا کسی صورت گناہ گاروں کے بیچ

ان کی شوکت، ان کی عظمت کو سمجھنا ہے محال
کلمۂ حق کہہ رہے تھے جو کہ تلواروں کے بیچ

تیری الفت کی سزا میں اے حسینؑ بن علیؑ
زندہ چنوائے گئے عشاق دیواروں کے بیچ

جو پلی ہوں چادر تطہیر کے سائے تلے
کلمہ گو ان کو لیے پھرتے ہیں بازاروں کے بیچ

رونے والے ہیں شہ مظلوم کے ماتم میں ہم
نام ہے ناصر ہمارا بھی عزاداروں کے بیچ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

دوستی کے مُتعلّق فرامین معصومینؑ

انتخاب : محمد اِلتجا مہدی

1. میری نصیحتوں پر عمل کرو کیونکہ میں تمھاری ہی بھلائی چاہتا ہوں۔ (رسُولِ خُداؐ)
2. خلوص کی دوستی دلوں کے پاکیزہ تعلق کا دوسرا نام ہے۔ (رسُولِ خُداؐ)
3. دوسروں کے ساتھ دوستی کریں تاکہ وہ بھی آپ کے دوست ہوں۔ اگر آپ کسی کے ساتھ سچے دل کے ساتھ دوستی کریں گے تو وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ دوستی کرے گا۔ کیونکہ دوستی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ (رسُولِ خُداؐ)
4. کسی بُرے کی دوستی اختیار نہ کرو ورنہ اس جیسے ہو جاؤ گے۔ (رسُولِ خُداؐ)
5. دوستی کرنے والے کے ساتھ دوستی کرو تاکہ اس میں استحکام پیدا ہو۔ (رسُولِ خُداؐ)
6. نیک دوستی ہی حقیقی نسب اور خالص رشتہ ہے۔ (حضرت علیؑ)
7. سچا دوست وہ ہے جو دوست پر جان قربان کرنے کو تیار ہو۔ (حضرت علیؑ)
8. باطل کبھی حق کا دوست نہیں ہو سکتا۔ (حضرت علیؑ)
9. دوست کو یاد کرنا اس کے ساتھ بیٹھنے کے برابر ہے۔ (حضرت علیؑ)
10. دوستی میں خیانت کرنا ذلت و پستی کا دوسرا نام ہے۔ (امام حسنؑ)
11. دوستی سے بڑھ کر کوئی قرابت دار نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس کے ساتھ خاندانی رشتہ نہ بھی ہو۔ (امام حسنؑ)
12. ہمارے دوستوں کے ساتھ دوستی کرنا رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ (امام حسنؑ)
13. ایسے شخص سے بھائی چارہ (دوستی) قائم نہ کرو جو خود پسندی میں مبتلا ہو۔ (امام حسینؑ)

نزول حضرت عیسیٰؑ

حضرت امام مہدی علیہ السّلام سنت کے قائم کرنے اور بدعت کے مٹانے نیز انصرام و انتظام عالم میں مشغول و مصروف ہوں گے کہ ایک دن نماز صبح کے وقت بروایتے نماز عصر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ شرقی پر نزول فرمائیں گے۔ حضرت امام مہدیؑ ان کا استقبال کریں گے اور فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ یہ نماز آپ کو پڑھانی ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام محمد مہدیؑ امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۵۴)

اَخبارِ غم

① محترم نوانی خاندان کو ایک اور صدمہ!

فخر قوم جناب محمد اصغر خان سابق ڈی آئی جی کے صدمہ وفات کے بعد اس خاندان کو ایک اور صدمہ سہنا پڑا۔ یعنی ان کی پھوپھی صاحبہ جو کہ عالی جناب سردار سعید اکبر خان صاحب کی خوشدامن بھی راہی ملک بقا ہو گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوند عالم جناب مرحومہ کو حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ کے جوار پر انوار میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔

شریک غم ادارہ)

② نیازی صاحبان آف کچاکھوہ کو صدمہ۔

ہم نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر غم اثر سنی کہ جناب جاوید حسین خان نیازی اور جناب غلام حیدر خان نیازی آف کچاکھوہ ضلع خانیوال کی والدہ ماجدہ جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما گئی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ افسوس کہ نیازی صاحبان اپنی شفیق والدہ ماجدہ کی مخلصانہ دعاؤں سے محروم ہو گئے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحومہ مغفورہ کو جناب مخدومہ کائنات کے جوار پر انوار میں مقام بلند عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے بحق النبی و آلہ علیہم السلام۔

③ آہ ڈاکٹر منظور حسین صاحب مرحوم۔

حلقہ احباب میں یہ خبر بڑے دکھ درد کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب ڈاکٹر منظور حسین صاحب آف بلوٹ۔ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان جو کہ جناب الحاج سیٹھ اللہ بخش صاحب آف کوٹ خمینی کے داماد تھے، طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے اچھے دیندار مرد مومن تھے۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام اعلیٰ علیین عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل مرحمت فرمائے، بجاہ النبی و آلہ۔ علیہم السلام

④ غلام رضا جعفری آف ساہی وال کو صدمہ۔

ہم نے افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی کہ زوار غلام رضا جعفری آف ساہی وال ضلع سرگودھا کی والدہ اپنی اولاد کو داغ مفارقت دے کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے، بحق النبی و آلہ۔ علیہم السلام۔

⑤ محمد سبطین اور محمد حسنین آف جہانیاں شاہ کو صدمہ۔

ہم نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی کہ

عزیزان محمد سبطین اور محمد حسنین کی والدہ طویل بیوگی کی زندگی بسر کرنے کے بعد اولاد کو داغ مفارقت دے کے انتقال کر گئی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر مرحمت فرمائے، بجاہ النبی و آلہ۔ علیہم السلام۔

۶ ملک منور حسین صاحب آف مکھنانوالی ضلع منڈی بہاؤالدین رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

۷ ہمارے مدرسہ سلطان المدارس کے طالب علم قدیر حسین غدیری کے دادا جان سردار غلام اکبر جسکانی رضائے الٰہی سے وفات پاگئے۔

۸ ملک عزیز حسین صاحب آف لیاقت پور ضلع رحیم یارخان وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے۔

۹ آہ جناب الحاج منظور حسین پاشا صاحب مرحوم۔
ہم نے بڑے قلبی دکھ درد کے ساتھ یہ خبر غم اثر سنی کہ چکوال کے مشہور پاشاہ خاندان کے سربراہ جناب الحاج منظور حسین صاحب پاشا جو کہ عرصۂ دراز سے کرالے نزد لندن (برطانیہ) میں مقیم تھے، ہارٹ پرابلم سے دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے مرد مومن تھے اور مذہب حق ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ خاندان کے سربراہ تھے۔ عرصہ دراز سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے۔ ع

آخر اس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا

ہم اس سلسلہ میں مرحوم کے فرزند الحاج ذوالفقار پاشا صاحب اور ان کے داماد جناب الحاج محسن پاشا اور دوسرے سب اعزا و اقربا سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔ اور مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں۔ ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(شریک غم ادارہ)

۱۰ جناب حاجی حق نواز صاحب آف چھڑالا ضلع میانوالی کا جواں سال بیٹا رضائے الٰہی سے وفات پاگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

۱۱ حجۃ الاسلام آقائے مولانا رانا محمد نواز صاحب مدرس مدرسہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا کی خالہ دھیروال میں رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بطفیل چہاردہ معصومینؑ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(شریک غم ادارہ)

مولائے کائناتؑ کا فرمان عالی شان

جس شخص کو اس کے اعمال پیچھے ہٹادیں اسے حسب و نسب آگے نہیں بڑھاسکتا۔

(نہج البلاغہ)

بقیہ: صلہ رحمی کا تاکیدی حکم اور قطع رحمی کی ممانعت

تین چیزوں کو تین چیزوں کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے:

1. اپنے تقویٰ کو صلہ رحمی کے ساتھ۔
2. اپنی عبادت کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ۔
3. نماز کو زکوٰۃ کے ساتھ۔

لہٰذا جو شخص تقویٰ الٰہی تو اختیار کرے مگر صلہ رحمی نہ کرے، خدا کی عبادت تو کرے مگر والدین سے بھلائی نہ کرے، اور نماز تو پڑھے مگر زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو اس آدمی کے یہ اعمال قبول نہیں ہوتے۔ (عیون الاخبار)

اسی بنا پر بعض احادیث میں وارد ہے: "لا یدخل الجنۃ قاطع رحم"۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (جامع السعادت)

بقیہ: دینی مدارس میں اخلاقی تربیت کی ضرورت

حکمران اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہوں، اس معاشرے کی تباہی یقینی ہوجاتی ہے۔ اس وقت ہمارا ملک جتنی مشکلات کا شکار ہے اس کی بڑی وجہ ہمارا اخلاقی بحران ہے۔ اس بحران سے نکلنے کے لیے پہلا قدم دینی اور تعلیمی اداروں کو اٹھانا ہوگا، اگر تعلیمی ادارے اس بحران کے مقابلے کے لیے علمی و عملی میدان میں پیش قدم نہیں ہوتے تو پورے معاشرے کی اخلاقی تباہی کی ذمہ داری انہی پر ہوگی اور جس کے سنگین نتائج کسی حد تک ہمارے معاشرے میں سامنے آچکے ہیں اور بد اخلاقی کے طوفان نے گلی کوچوں سے لے کر گھروں کی چار دیواریوں کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے دینی مدارس میں اخلاقی تربیت اور تعلیم کی اہمیت اور ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے، چونکہ آج کا دینی طالب علم کل کے معاشرے کا معلم اور معمار ہے، اگر اس کو اخلاقی تعلیم و تربیت ہوگی تو معاشرے کی اخلاقی تربیت بھی یقینی ہوجائے گی۔

(بشکریہ سہ ماہی "نورِ معرفت" اسلام آباد۔ جلد: ۲، شمارہ: ۱)

بقیہ: ملت گریہ کن سے دو باتیں

رو دیتا ہے۔ حسینؑ پر ہی کیا موقوف ہے، کسی کے مصائب کیوں نہ ہوں۔ یا ایک گھڑا ہوا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ محض رو دینا کافی نہیں ہے۔ جب تک حسینؑ کی شرافت اعمال اور غرض شہادت کے سمجھنے کے قابل نہ ہوں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں کے پیچھے آپ کا درجہ ہمدردی و اثر کیا ہے۔ آپ کتنے عامل فرائض مستقل مزاج، کریم النفس، رحیم، ہمدرد، سخی، شجاع اور پابند صوم و صلوات ہیں۔ مصیبتوں کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ اور آپ میں غیرت کتنی ہے۔ (مجاہد اعظم)

حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

1. حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ پروردگار حسینؑ کے دوست کو دوست رکھتا ہے۔ (مسند احمد)
2. میرے تمام گھرانے میں سب سے زیادہ محبوب حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ (ترمذی)
3. حسنؑ و حسینؑ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (مسند احمد)

اہلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

1. **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
2. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔
3. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذبِ نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔
4. **اثبات الامامت** ائمۂ اثناعشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔
5. **اصول الشریعۃ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
6. **تحقیقات الفریقین** اور
7. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
8. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصۃ التفسیر** منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔
9. **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
10. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب: **منیجر مکتبۃ السبطین**

9/296 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722
محمد احمد لاء کمپنی لاہور
سرپرست : تصور حسین علی ورک ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
فوجداری نگرانی
سول نگرانی
ریونیو
فیملی
بینکنگ
ویزہ فراڈ FIA امیگریشن انسانی سمگلنگ
دفتر غازی پلازہ تھرڈ فلور چیمبر نمبر 3
2 مزنگ روڈ نزد ہائی کورٹ لاہور
فون نمبر 0308-8421602 0300-4720014
القائم جیولرز
حسین و لطیف اور خالص سونے کے زیورات
کے لیے ہماری خدمات حاصل فرمائیں
اسلام پلازہ گیسوں والی گلی بلاک نمبر 3 نزد کچہری بازار سرگودھا
ریاض حسین اظہر عباس 0483-3767214/0300-602514-0346-5523312
مومنین کے لیے خصوصی رعایت کی جائے گی
0307-6719282 انظے کمپوزرز